حلِ کتاب کے ساتھ ساتھ "احنافؒ کے اصولِ حدیث"

کی وضاحت کرنے والی ایک سلیس وعام فہم شرح

وسیلة الظفر

اردو شرح

نخبة الفِکَر

(لابن حجر العسقلانی الشافعیؒ)

تالیف

ابوذکوان محمد عبدالقادر جیلانی

تخصص فی علوم الحدیث الشریف: جامعة العلوم الاسلامیة بنوری ٹاؤن کراچی

تخصص فی الفقہ والافتاء: جامعہ دارالعلوم عیدگاہ کبیروالا (خانیوال)

تمرینِ افتاء: دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی

تقریظ

حضرت اقدس محقق وناقد مولانا نورالبشر صاحب دامت برکاتہم العالیة ومتعنا اللہ بفیوضہ الغالیة

استاذالحدیث جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مدیر وشیخ الحدیث معہد عثمان بن عفان کورنگی کراچی

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	انتساب	۱۰
۲	تقریظ	۱۱
۳	عرضِ شارح	۱۳
۴	احوالِ مصنفؒ	۲۰
۵	**مقدّمہ**	۲۲
۶	**مبادیاتِ علمِ اصولِ حدیث**	۲۲
۷	تعریف	۲۲
۸	غایت	۲۲
۹	موضوع	۲۲
۱۰	**علومِ حدیث کی بعض اصطلاحات کا بیان**	۲۲
۱۱	حدیث	۲۲
۱۲	سند/اسناد	۲۳
۱۳	متن	۲۳
۱۴	راوی	۲۳
۱۵	مروی عنہ	۲۳
۱۶	مروی	۲۴

۱۷	مُسنَد	۲۴
۱۸	القاب اہل فن	۲۵
۱۹	محدّث	۲۵
۲۰	حافظ	۲۵
۲۱	حجت	۲۵
۲۲	وسیلۃ الظفَر اردو شرح نخبۃ الفِکَر	۲۶
۲۳	حصہ اول (کتاب کا نصفِ اول)	۲۶
۲۴	حدیث کی ابتدائی تقسیم	۲۸
۲۵	خبر متواتر	۲۸
۲۶	خبر واحد	۲۸
۲۷	خبر مشہور	۲۹
۲۸	خبرِ عزیز	۲۹
۲۹	خبرِ غریب	۲۹
۳۰	مذہب احناف:	۲۹
۳۱	خبر متواتر	۳۰
۳۲	خبر مشہور	۳۰
۳۳	خبر واحد	۳۰
۳۴	مذہب احناف:	۳۰
۳۵	صحیح لذاتہٖ	۳۴

۳۶	حسن لذاتہ	۳۶
۳۷	صحیح لغیرہ	۳۷
۳۸	حدیث ضعیف	۳۷
۳۹	توضیح بعض مصطلحات	۳۹
۴۰	**حدیث مقبول کی عمل کے اعتبار سے اقسام**	۴۶
۴۱	**مذہبِ احناف:**	۴۹
۴۲	حدیث مردود:	۵۰
۴۳	حدیثِ مردود بسبب سقط	۵۰
۴۴	**مذہبِ احناف:**	۵۱
۴۵	مرسَلِ ظاہر	۵۲
۴۶	مدلَّس	۵۳
۴۷	تدلیس کی غرض	۵۳
۴۸	**مذہبِ احناف:**	۵۴
۴۹	مرسَلِ خفی	۵۴
۵۰	مُدلَّس اور مرسَل خفی کے درمیان فرق:	۵۴
۵۱	حدیثِ مردود بسبب طعن	۵۶
۵۲	۱۔ کذب:	۵۷
۵۳	۲۔ تہمتِ کذب:	۵۸

۵۴	۳۔ فحش غلط:	۵۸
۵۵	۴۔ غفلت:	۵۸
۵۶	۵۔ فسق:	۵۸
۵۷	۶۔ وھم:	۵۹
۵۸	۷۔ مخالفت:	۶۱
۵۹	(الف) مُدرَج:	۶۱
۶۰	(ب) مقلوب:	۶۳
۶۱	(ج) مزید فی متصل الاسانید:	۶۴
۶۲	(د) مضطرِب:	۶۴
۶۳	استطراد:	۶۵
۶۴	(ر) مصحَّف ومحرَّف:	۶۵
۶۵	۸۔ جہالت:	۶۹
۶۶	مذہب احنافؒ:	۷۲
۶۷	مجہول العین:	۷۲
۶۸	مجہول العین کا حکم:	۷۲
۶۹	مذہب احنافؒ:	۷۲
۷۰	مجہول الحال:	۷۳
۷۱	مجہول الحال کا حکم:	۷۳

۷۲	مذہبِ احنافؒ:	۷۳
۷۳	۹۔ بدعت:	۷۴
۷۴	۱۰۔ سوءِ حفظ	۷۵
۷۵	حصہ دوم (نصفِ اخیر)	۷۹
۷۶	مرفوع:	۸۰
۷۷	موقوف	۸۳
۷۸	صحابی کی تعریف:	۸۳
۷۹	مذہب احناف:	۸۴
۸۰	مقطوع	۸۴
۸۱	تابعی کی تعریف:	۸۴
۸۲	مذہب احناف:	۸۴
۸۳	حدیثِ مُسنَد	۸۵
۸۴	وسائط سند کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم:	۸۶
۸۵	ـــ ”علوِّ نِسبی ـــ“ کی اقسام	۸۹
۸۶	(۱) موافقت:	۸۹
۸۷	(۲) بدل:	۸۹
۸۸	(۳) مساوات:	۹۰
۸۹	(۴) مصافحہ:	۹۱
۹۰	روایت کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں:	۹۲

۹۱	(۱) روایت الاقران	۹۳
۹۲	(۲) روایت المدبج	۹۳
۹۳	(۳) روایت الاکابر عن الاصاغر	۹۴
۹۴	(۴) روایت الاصاغر عن الاکابر	۹۴
۹۵	سابق اور لاحق	۹۶
۹۶	مہمل رُوات	۹۷
۹۷	راوی کا روایت کردہ حدیث کا انکار	۹۸
۹۸	حدیث مسلسل	۱۰۰
۹۹	حدیثِ مسلسل بصیغۃ الاداء:	۱۰۰
۱۰۰	حدیث مسلسل بحالۃ من الحالات:	۱۰۱
۱۰۱	صیغ الاداء	۱۰۳
۱۰۲	سَمِعْتُ اور حَدَّثَنِي:	۱۰۳
۱۰۳	أخبَرَنِي اور قَرأتُ عَلَيهِ	۱۰۴
۱۰۴	قُرِئَ عَلَيْهِ وَ اَنَا اَسمعُ:	۱۰۴
۱۰۵	اَنبَأَنِي:	۱۰۵
۱۰۶	حدیثِ مُعَنعَن	۱۰۷
۱۰۷	ـــ"طرقِ تحمل"ـــ یعنی ـــ"تحصیل حدیث کے طریقوں"ـــ کا بیان	۱۰۸
۱۰۸	اجازت:	۱۰۸
۱۰۹	(۱) مشافہہ:	۱۰۸

۱۱۰	(۲) مکاتبہ:	۱۰۸
۱۱۱	مُناولہ:	۱۰۹
۱۱۲	وِجادہ:	۱۱۰
۱۱۳	وصیت بالکتاب:	۱۱۰
۱۱۴	اجازتِ غیر معتبر کی اقسام:	۱۱۱
۱۱۵	(۱) اجازت عامہ:	۱۱۱
۱۱۶	(۲) اجازت للمجہول:	۱۱۱
۱۱۷	(۳) اجازت للمعدوم:	۱۱۱
۱۱۸	اتفاقِ اسماء کے اعتبار سے رُواۃ کی اقسام	۱۱۳
۱۱۹	المتفِق والمفترِق:	۱۱۳
۱۲۰	المؤتلِف والمختلِف:	۱۱۳
۱۲۱	المتشابہ:	۱۱۴
۱۲۲	مزید اقسام:	۱۱۴
۱۲۳	خَاتِمَةٌ (خاتمہ)	۱۱۵
۱۲۴	امور مہمہ:	۱۱۵
۱۲۵	معرفة مواليدهم ووَفِيّاتهم (راویوں کی تاریخ پیدائش اور وفات کا جاننا)	۱۱۶
۱۲۶	معرفة بُلدانهم (راویوں کے وطن کا جاننا):	۱۱۶
۱۲۷	معرفة احوالهم (راویوں کے احوال جاننا):	۱۱۶
۱۲۸	معرفة مراتب الجرح (جرح کے مراتب جاننا):	۱۱۷

۱۲۹	**معرفة مراتب التعدیل (تعدیل کے مراتب جاننا):**	۱۱۸
۱۳۰	جرح وتعدیل میں تعارض	۱۱۸
۱۳۱	**مذہبِ احناف:**	۱۲۰
۱۳۲	فصل (۳۲–امور متفرقہ کے بارے میں)	۱۲۲
۱۳۳	نخبۃ الفکر کے اصولِ حدیث (ایک نظر میں)	۱۳۶
۱۳۴	مؤلف کی دیگر کتب	۱۴۰

انتساب

ان طلباء وفضلاء کے نام
جو خدمتِ حدیث کی غرض سے، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
گہری تحقیق کا جذبہ رکھتے ہیں

تقریظِ انیق

حضرت اقدس محقق وناقد مولانا نور البشر صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

ومتعنا اللہ بفیوضہ الغالیۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد النبى الأمى الأمين، وعلى آله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أما بعد: درسِ نظامی میں اصولِ حدیث کی بنیادی کتاب حافظ ابن حجرؒ کی مشہور کتاب **نزهة النظر شرح نخبة الفكر** متداول ہے۔ اس پر مختلف حضرات اہلِ علم نے قلم اٹھایا اور اپنے اپنے طرز پر اس کی شرحیں لکھیں۔

عزیز گرامی مولانا عبدالقادر جیلانی حفظہ اللہ تعالیٰ نہایت مستعد اور نفیس صاحبِ قلم مدرّس ہیں۔ آپ نے اس کتاب کے متن "نخبۃ الفکر" کو سامنے رکھ کر اس کی ایک متوسط شرح لکھی ہے، جس کو "**وسیلةُ الظفر فی شرح نُخبة الفِكَر**" سے موسوم کیا ہے، جو درحقیقت موصوف کی درسی تقریر ہے جس کو انہوں نے بعد میں باقاعدہ نظر ثانی کے بعد کتابی شکل دی ہے۔

اور انہوں نے یہ کتاب بندہ کے پاس اصلاح اور تقریظ کے لیے ارسال کی تو بندہ کی خواہش یہ تھی کہ اس کتاب کو مکمل اور بالاستیعاب دیکھے، اور دیکھنا شروع بھی کر دیا تھا۔ مگر کچھ عوارض ومصروفیات کے پیش نظر اس مجموعہ کو اگرچہ مکمل طور پر نہیں دیکھ سکا، لیکن اس کے بعض مباحث کو بالاستیعاب اور بعض دیگر کو جستہ جستہ مقامات سے دیکھا ہے، چنانچہ جن مقامات پر ضرورت محسوس کی ہے وہاں بقدرِ ضرورت اصلاح وترمیم بھی کر دی ہے، تاہم بندہ نے اس کتاب کو مجموعی طور پر بحمدہ تعالیٰ طلبہ کے لیے مفید پایا ہے۔

مؤلف موصوف کو بندہ سے اپنے حسن ظن کی بناء پر محبت ہے، جس سے وہ بندہ کے ساتھ اپنی

تالیفی اور دیگر دینی خدمات میں استفادہ کیلئے رابطہ میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حسنِ ظن کو حقیقت کا جامہ پہنائے اور ان کی اس کتاب کو شرفِ قبول عطا فرما کر انہیں مزید دینی خدمات کیلئے موفّق فرمائے۔

؎ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

نورالبشر محمد نورالحق

استاذ الحدیث وعلومہ و مدیر معہد عثمان بن عفان

۲۸ ذی القعدہ ۱۴۳۶ھ/ ۱۳ ستمبر ۲۰۱۵ء

عرضِ شارح

حدیث شریف اور علومِ حدیث کی خدمت بلاشبہ نہایت سعادت کی چیز ہے۔ اس سعادت کی تحصیل کے لیے ہر زمانہ کے علماء کرام نے کاوش کی ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا متنِ متین ''نخبۃ الفِکَر'' ہے جو اصولِ حدیث میں اساس کی حیثیت کا حامل ہے اور مدارس میں مدتوں سے شامل درنصاب ہے۔ احقر نے اس خیال سے کہ روزِ محشر اس ناکارہ کا بھی خدامِ حدیث میں کسی طرح شمار ہو جائے اس متن کی شرح، تحریر کی ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور اس شرح میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایسے مضامین درج کر دیے ہیں جو ان شاء اللہ کم مدت کے اندر اصولِ حدیث کے علم میں اجمالاً کامیابی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام ــ"وسیلۃ الظفر فی شرح نخبۃ الفِکَر" رکھا ہے۔

واضح رہے کہ کتابِ ہذا، نخبۃ الفکر کی شرح ہے، نہ کہ اس کی شرح نزھۃ النظر کی۔ اس سلسلہ میں احقر کی رائے اور تجربہ یہ ہے کہ اگر طلبہ کو براہِ راست نزھۃ النظر پڑھانی شروع کر دی جائے تو اکثر طلبہ کو یہ فن ــ"اصولِ حدیث"ــ سمجھ ہی نہیں آتا اور درسِ نظامی میں عموماً یہ پہلی و آخری کتاب ہونے کی وجہ سے طلبہ عمر بھر اس فن سے نامانوس و ناآشنا ہی رہتے ہیں۔ اس لیے اگر پہلے اس کا متن نخبۃ الفکر چند روز میں پڑھا دیا جائے اس کے بعد پھر اس کی شرح نزھۃ النظر پڑھائی جائے تو طلبہ کو کہیں زیادہ فائدہ و بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس اہم و ضروری پہلو کے پیشِ نظر احقر نے اس کے متن کو موضوعِ شرح بنایا ہے اور

پھر یہ شرح بھی الحمدللہ اس متن کی شرح نزھة النظر کو سامنے رکھ کے لکھی ہے تا کہ نخبة الفکر کو وسیلة الظفر کی روشنی میں پڑھ لینے کے بعد نزھة النظر پڑھنے میں دشواری نہ ہوحتی کہ نزھة النظر کے مشکل مضامین کو بھی ملا علی قاری کی شرح کی مدد سے حل کر کے اسی کتاب وسیلة الظفر کا جزو بنا دیا ہے تا کہ نزھة النظر کے مغلق مقامات ادھر ہی آسان انداز میں اردو زبان کے اندر سامنے آجائیں اور پھر نزھة النظر کے پڑھنے کے دوران طلبہ بآسانی اور قلیل وقت میں آگے گزر جائیں۔

ان شاء اللہ اس طرح وسیلة الظفر کی روشنی اور اس کی مدد سے نخبة الفکر کو پہلے پڑھ لینے سے اصولِ حدیث کا فن بھی سمجھ آجائے گا جو کہ مقصودِ اصلی ہے اور کتاب نزھة النظر بھی آسان ہو جائے گی، ورنہ احقر کا تجربہ یہ ہے کہ فن کی اس پہلی کتاب کو اگر اس طرح پڑھایا جائے کہ نخبة اور اس کی شرح نزھة دونوں بیک وقت ساتھ ساتھ چل رہی ہوں تو کتاب تو کسی نہ کسی درجہ میں ہاتھ میں آجاتی ہے مگر فن ان مبتدی طلبہ کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور علومِ حدیث کی مبادیات اور بہت سارے اہم اصولوں کا ادراک تک نہیں ہو پاتا۔ بہر حال بات لمبی ہوگئی تاہم اس طرح کا خیال ونظریہ ہمارے اکابر میں سے مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے بھی اپنی شرح تحفة الدرر میں ظاہر فرمایا ہے۔

بہر کیف شرحِ ہٰذا کی تالیف سے متعلقہ چند امورِ مہمہ درج ذیل ہیں:

(۱) اس کتاب کی عبارت اور ترجمہ تو تالیفی طرز پر ہے مگر اس کی شرح تدریسی طرز پر ہے بایں سبب کہ احقر کے سبق کی تدریس کو بعض طلباء کرام نے لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا پھر اس سے آپس میں تکرار کرتے تھے، چناں چہ احقر نے طلبہ سے وہ تحریر لے کر اس

پر نزھۃ النظر اور شرح القاری وغیرہ دیگر کتب کی روشنی میں اس پر نظرِ ثانی کی اور کسی قدر حذف وترمیم کے ساتھ اُسی تدریسی طرز پر محفوظ کی ہوئی تحریر کو شائع کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس لیے آپ دورانِ شرح تصنیفی طرز نہیں پائیں گے کہ جس میں ہر ہر بات کا با قاعدہ کتاب کے نام اور جلد وصفحہ نمبر سمیت حوالہ درج کیا گیا ہوتا ہے البتہ دورانِ درس کسی خاص بات کو بتانے کے دوران کہیں کہیں میں نے اس کے ماخذ کی طرف اشارہ کردیا ہے ورنہ عموماً ان تشریحات کے مآخذ ومراجع کی طرف احالہ نہیں کیا گیا کہ تدریس کے لائق بھی یہی امر ہوتا ہے بلکہ محض حلِ نفسِ کتاب وشرحِ مغلقات پر طلبہ کی توجہ مرکوز کرائی گئی ہے۔ تاہم کتابِ ہٰذا النخبۃ الفکر کی تدریس اور پھر اس پر نظرِ ثانی کے دوران احقر نے جن کتب سے استفادہ کیا وہ حسبِ ذیل ہیں:

نزهة النظر للعسقلانی نفسه، حاشية نزهة النظر، شرح شرح نخبة الفكر لملا علی القاری، مقدمة ابن الصلاح، قواعد فی علوم الحديث لشيخنا العثمانی، تدريب الراوی للسيوطی، عمدة النظر للشيخ محمد طفيل الأتكی، تحفة الدرر للشيخ سعيد احمد البالنبوری، بهجة الدرر للشيخ ارشاد احمد القاسمی، قطرات العطر للشيخ محمود عالم الاوكاروی، دراسات فی اصول الحديث علی منهج الحنفية لعبد المجيد التركمانی، اصول التخريج ودراسة الاسانيد للدكتور محمود الطحان، تيسير مصطلح الحديث له ايضاً، الاجوبة الفاضلة للكهنوی، الرفع والتكميل له ايضاً، علوم الحديث للشيخ عبيد الله الاسعدی، وغيرها

لہٰذا اس شرح **وسیلۃ الظفر** کے کسی مضمون کا حوالہ مقصود ہو تو کتب بالا کے متعلقہ

مضمون وعنوان کو دیکھ لیا جائے ان شاء اللہ ان میں سے کسی کتاب میں وہ مضمون ضرور مل جائے گا۔ تاہم طِباعت کیلئے کتاب پر نظر ثانی کے وقت بعض مقامات پر جہاں سہولت سے کوئی حوالہ دیا جاسکتا تھا وہاں بلا بیانِ جلد وصفحہ، محض کتاب کا نام قوسین میں حوالہ اجمالیہ کے طور پر درج کر دیا ہے۔

بہر حال اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرصت وموقع میسر آیا تو اس کتاب کی تصنیفی طرز پر باقاعدہ مستقلاً تخریج کردوں گا۔ واللہ ہو الموفق والمعین

(۲) نخبۃ الفکر کے تحریر کردہ دیگر اردو تراجم کے ساتھ، کتاب ہذا (وسیلۃ الظفر) کے مقابلہ کے وقت ممکن ہے کہ اس کتاب کے ترجمہ میں بادیٔ النظر میں کہیں کوئی اشکال پیدا ہو تو اس سلسلہ میں معروض ہے کہ احقر نے ضمائر کے مراجع اور اسماء اشارات کے مشار الیہا متعین کرنے کے لیے عموماً ملا علی قاریؒ کی ’’شرح شرح نخبۃ الفکر‘‘ سے موسوم شرح سے استفادہ کیا ہے جو عند المحققین انتہائی قابلِ اعتماد، اور متداول ومعتبر شرح ہے۔

مثال کے طور پر **والفرد النِسبی إن وافقه** کی ضمیرِ منصوب اور پھر چند الفاظ کے بعد **تتبع الطرق لذلك** کے اسمِ اشارہ بعید میں عرضِ مذکور کا نمونہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

تاہم مذکوررہ مقصد کے لیے نزھۃ النظر اور اس کے حاشیہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس لیے آخر میں عرض ہے کہ دورانِ ترجمہ اگر کہیں ’’مرادِ عبارت‘‘ میں قاری کو اشکال ہو جائے تو وہ تا کیدِ اشکال سے قبل شرح الشرح لملا علی القاریؒ اور نزھۃ النظر مع الحواشی وبین السطور ضرور ملاحظہ فرمالے انشاء اللہ اشکال رفع ہو جائے گا اور اگر پھر بھی اشکال برقرار رہے تو وہ اشکال مع الدلیل بندہ کو ارسال کر دیا جائے تا کہ تحقیق کے بعد اشکال کے صحیح ہونے کی صورت میں آئندہ ایڈیشن کے اندر اس مقام کی اصلاح کردی جائے۔

(۳) تدریسِ کتاب کے دوران جن کتب سے احقر نے استفادہ کیا ان میں مضمونِ کتاب سے متعلقہ بسا اوقات بہت مفصل، طویل اور دلچسپ مباحث ہوتے تھے مگر بندہ نے شرح کے دوران اپنے درس کو صرف نفسِ کتاب یا اس سے متعلقہ کسی ضروری مبحث کے بیان پر ہی مقتصر ومنحصر رکھا کیونکہ کسی علم وفن کی ابتدائی کتاب کی تدریس کے دوران اگر طویل وعجیب مباحث کا دروازہ کھول دیا جائے تو ادنیٰ ومتوسط درجہ کے طلباء اصل کتاب کے مضامین کی فہم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس لیے بھی شرحِ ہذا میں مبسوط مباحث سے گریز کیا گیا ہے لیکن نفسِ کتاب کے حل میں ان شاء اللہ کوئی پہلو تِشنہ نہیں رہے گا۔

(۴) احناف کے اصول حدیث معلوم کرنے کے لیے احقر نے مندرجہ ذیل کتب سے اخذ واستفادہ کیا ہے:

قواعد فی علوم الحدیث لشیخنا العثمانی، دراسات فی أصول الحدیث علی منهج الحنفیة لعبد المجید الترکمانی، شرح شرح نخبة الفکر لملا علی القاری، علوم الحدیث للشیخ عبید الله الأسعدی، قفو الأثر لابن الحنبلی وغیرها۔

(۵) شرحِ ہذا کے بالکل اخیر میں بندہ نے اس کتاب ”نخبۃ الفکر“ میں مذکور اصولِ حدیث کو جداول ونقشوں کی صورت میں نہایت مختصر انداز میں ذکر کردیا ہے جس سے یہ اصول وقواعد صرف ایک نظر میں ہی انشاء اللہ مستحضر ہوجائیں گے اور اسی نسبت سے ان جداول کو اس نام سے موسوم کیا ہے: ”نخبۃ الفکر کے اصول حدیث ایک نظر میں“۔

تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ اگر طلبۂ کرام ”نخبۃ الفکر“ کی کوئی مبحث پڑھنے کے

ساتھ اس سے متعلقہ نقشہ بھی دیکھ لیا کریں تو انشاء اللہ یہ امر اس مضمون کو سریع الفہم اور سہل البیان کردے گا۔

مزید برآں بندہ کی دیرینہ خواہش اور عزمِ مصمم ہے کہ **أصول التخریج** اور **دراسة الاسانید** کے فن پر بھی کوئی مختصر اور جامع نوعیت کا کتابچہ بھی تالیف کرکے طلبہ وفضلاء کی خدمت میں پیش کرے کہ اس فن کی واقفیت نہایت اہم اور ضروری ہے۔ فأسأل الله التوفیق۔

(۶) میں اپنے کلام کا اختتام اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک میں اپنے حقیقی معنوں میں مشفق ومحسن استاذ محترم، ناقد ومحقق، حضرت مولانا نور البشر صاحب دامت برکاتہم العالیۃ ومتعنا اللہ بفیوضہ الغالیۃ کا رسمی اداؤں سے ہٹ کر دل سے شکریہ نہ ادا کر لوں جو علمی کاموں میں میری سرپرستی اور میرے اوپر نہایت شفقت فرماتے رہتے ہیں۔ اب کی بار بھی انہوں نے اپنے قیمتی اور فی الواقع مصروف ترین اوقات میں سے مجھ ناچیز کی اس چھوٹی سی کتاب کے لیے وقت نکال کر اس کے بعض مقامات کو بنظرِ غائر پڑھا اور اس میں قابل ترمیم ولائقِ اِصلاح امور کی نشاندہی فرمائی اور بعض مقامات پر مفید اضافہ جات کرائے یہ بات میرے لیے بلاشبہ باعثِ مسرت تھی، چناں چہ میں نے ان کی خدمت میں حاضری دے کر ان قابلِ اصلاح امور کو ان سے استفادۃً سمجھا بھی سہی اور ان کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی۔

لہٰذا اب یہ امر میرے لیے انتہائی موجبِ سعادت اور لائقِ افتخار ہے کہ حضرتِ والا کی تقریظ کے ساتھ یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خزانوں سے بلاحساب اجر نصیب فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے مالامال فرمائے نیز ان کو امراضِ

لاحقہ سے شفاء کاملہ، عاجلہ ومستمرہ سے سرفراز فرمائے تا کہ امت تادیر ان کے فیوض سے بہرہ ور ہو سکے۔ آمین! ثم آمین!

(۷) آخر میں گزارش ہے کہ بندہ کو علم وعمل میں اپنی تہی دامنی کا کھلا اعتراف ہے۔ اس لیے اگر آپ کوئی بات غیر صحیح پائیں تو اسے میری کوتاہ فہمی کی طرف منسوب کرتے ہوئے بذریعہ میسج درج ذیل فون نمبر یا ای میل ایڈریس پر ضرور مطلع فرمائیں تا کہ بعد از تحقیق آئندہ طِباعت میں اسے درست کیا جا سکے۔

فون: 0300-74,87,621، ای میل: abuzakwan786@gmail.com

فقط

کتبہ

ابوذکوان محمد عبد القادر جیلانی عفا اللہ عنہ

احوالِ مصنفؒ

نام ونسب: احمد نام، ابو الفضل کنیت اور شہاب الدین لقب ہے۔ فلسطین کے شہر عسقلان کی طرف منسوب ہیں۔ والد کا نام علی اور لقب نور الدین ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: احمد بن علی بن محمد العسقلانی المصری

وجہِ تلقب: حافظ موصوف ــ"ابن حجر"ــ کے لقب سے مشہور ہیں۔ جد امجد کا لقب بھی ابن حجر تھا۔ لہٰذا یا تو آپ نے بطور تفاؤل اپنا لقب ابن حجر رکھا یا قبیلہ ــ"آلِ حجر"ــ کی نسبت سے ابن حجر مشہور ہوئے۔

ولادت باسعادت: آپ 23 شعبان 773ھ کو مصر کی ایک بستی ــ"عتیقہ"ــ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم: بقاعدہ تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے آپ نے کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا۔ 11 سال کی عمر میں آپ مکہ مکرمہ گئے اور حج کی ادائی کے بعد وہاں کے مشاہیر علماء سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ جب آپ سن رشد کو پہنچے تو آپ علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور دور دراز ممالک وبلدان (جیسے مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ زادہما اللہ شرفا، اسکندریہ، غزہ، یمن، قبرص، شام اور حلب وغیرہ) کا سفر کر کے حدیث کی سماعت کی، نیز حدیث کے علاوہ فقہ وافتاء اور ادب وعروض وغیرہ علوم وفنون کی بھی تحصیل کی۔

ذہانت وحافظہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہانت وفطانت سے مثالی ووافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ 9 سال کی عمر میں آپ حافظ قرآن ہو گئے تھے۔ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ علماء نے ان کے حفظ، ثقاہت اور غیر معمولی ذکاوت کی شہادت دی ہے۔ منقول ہے کہ آپ نے

سے "زم زم" اس نیت سے پیا کہ قوت حافظہ میں امام ذہبیؒ کے برابر ہو جائیں چناں چہ اللہ تعالیٰ نے یہ مراد آپ کی پوری کی۔

علمی مشغلہ اور مطالعہ کتب: آپ کے اوقات معمور رہتے تھے، کسی وقت خالی نہ بیٹھتے تھے۔ تین مشغلوں میں سے کسی ایک شغل میں ضرور مصروف رہتے: مطالعہ کتب، تصنیف وتالیف اور عبادت۔

عجز وانکساری: لیکن بایں ہمہ تبحر علمی وجلالت شان آپ فروتنی وتواضع کے پیکر تھے۔ اپنی جانب کسی بڑائی کو منسوب نہ کرتے تھے۔

وفات پر ملال: اکثر محققین کی رائے کے مطابق 28 ذی الحجہ 852ھ کو ہفتہ کے دن بعد نماز عشاء علم وعمل کا یہ آفتاب غروب ہوا۔ مرض الموت کا سبب اسہال کی شدت تھی۔

تصانیف: حافظ ابن حجرؒ نے اپنی طویل علمی حیات میں مختلف فنون کی بکثرت کتب تصنیف کیں جن کی تعداد امام سخاویؒ نے 150 سے زائد بتائی ہے جن میں بیشتر کتابیں فنِ حدیث سے متعلق ہیں۔

تعصب ابن حجر — الاماں والحذر — مذکورہ بالا تمام صفاتِ حمیدہ کے ساتھ حافظ صاحب میں احناف کے ساتھ تعصب بھی حد درجہ کا تھا۔ بالخصوص انہوں نے اپنی تصانیف میں حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور جادۂ حق واعتدال کو ملحوظ نہ رکھ سکے۔ علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے بقول حافظ ابن حجرؒ سے رجالِ حنفیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے۔ نیز علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں سے کسی حنفی راوی کے ترجمہ کو نہیں لینا چاہیے خواہ وہ متقدم ہو یا متاخر۔ (۱)

---

(۱) مستفاد من ظفر المحصلین

مقدّمہ

مبادیات علم اصولِ حدیث

تعریف:

علم اصولِ حدیث اُن اصول وقواعد کا علم ہے جن کے ذریعہ سے قبول وردّ کے اعتبار سے حدیث کی سند اور متن کے احوال معلوم کیے جاتے ہیں۔

غایت:

علم اصول حدیث کی غایت یہ ہے کہ حدیث کے احوال معلوم کر کے مقبول حدیث پر عمل کیا جائے اور غیر مقبول کو ترک کیا جائے۔

موضوع:

علم اصولِ حدیث کا موضوع سند اور متن ہے اس حیثیت سے کہ اسے قبول یا رد کیا جائے۔ (تیسیر وغیرہ)

علومِ حدیث کی بعض اصطلاحات کا بیان

حدیث:

لغوی معنی: ـــ ”نئی چیز“ ـــ اور ـــ ”بات کرنا“ ـــ۔

اصطلاحی معنی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل، تقریر یا صفت وحال کو حدیث کہتے ہیں (۱)۔ اور کبھی اِس کو ”خبر“ اور ”اثر“ بھی کہتے ہیں۔

---

(۱) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ، صحابی اور تابعی کے قول، فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔ پھر اس میں بھی بعض دیگر حضرات تابعی کے معاملے میں اس کی تقریر کو حدیث کہنے میں تامل کرتے ہیں۔

تنبیہ: ’’خبر اور حدیث‘‘ عموماً حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قول، فعل اور تقریر پر بولا جاتا ہے، اور ’’اثر‘‘ عموماً صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے قول، فعل اور تقریر پر بولا جاتا ہے۔

بسا اوقات ”حدیث“ پر ”اثر“ کا لفظ اور ”اثر“ پر ”حدیث“ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

سند/ اِسناد: (یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں)

لغوی معنی: سہارا/ سہارا دینا۔

اصطلاحی معنی: افراد کے ناموں کا وہ سلسلہ جو متن تک پہنچائے۔

متن:

لغوی معنی: زمین کا ابھرا ہوا سخت حصہ، پیٹھ

اصطلاحی معنی: کلام کا وہ حصہ جہاں سند ختم ہوتی ہے

راوی:

لغوی معنی: نقل کرنے والا۔ اس کی جمع ”رُواۃ“ آتی ہے۔

اصطلاحی معنی: حدیث کو نقل کرنے والا، سندِ حدیث میں آنے والا ہر فرد ”راوی“ کہلاتا ہے اور مجموعہ ”سند“ کہلاتا ہے۔

مروی عنہ:

لغوی معنی: جس سے نقل کیا جائے

اصطلاحی معنی: وہ استاذ (شیخ) جو حدیث بیان کرتا ہے اور طلبہ اس سے روایت کرتے ہیں۔

ف: شیخ سے جب اس کا شاگرد روایت کرتا ہے تو یہ شیخ ”مروی عنہ“ اور شاگرد

ــ”راوی ــ“ کہلاتا ہے، اور جب یہی شیخ خود کسی سے حدیث روایت کرتا ہے تو اُس وقت یہ ــ”راوی ــ“ اور اِس کا شیخ جس سے یہ حدیث روایت کر رہا ہوتا ہے وہ ــ”مروی عنہ ــ“ کہلاتا ہے۔

مروی:

لغوی معنی: نقل کردہ۔ اس کی جمع ــ”مَروِیّات ــ“ آتی ہے۔

اصطلاحی معنی: وہ امر جسے روایت کیا جائے، خواہ قول ہو یا فعل جسے ــ”سند ــ“ کے بعد ذکر کیا جاتا ہے، اسی کو ــ”متن ــ“ کہتے ہیں اور ــ”روایت ــ“ بھی جس کی جمع ــ”روایات ہے۔

مُسنَد:

لغوی معنی: منسوب (وہ چیز جس کی کسی طرف نسبت کی گئی ہو)

اصطلاحی معنی: اس کی تین اصطلاحی تعریفات ہیں:

ا۔ ہر وہ کتابِ حدیث جس میں الگ الگ طور پر ہر صحابی کی روایت کردہ احادیث کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہو

ب۔ وہ حدیثِ مرفوع جس کی سند متصل ہو

ج۔ کبھی اسکو ــ”سند ــ“ کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس وقت یہ مصدر میمی ہوگا۔

القابِ اہلِ فن: (۱)

علمِ حدیث میں ”محدث“، ”حافظ“ اور ”حجت“ وغیرہ کے اصطلاحی القاب کی تعریفا ابتدائی وقدیم کتب میں اُس زمانہ کے لحاظ سے مندرج ہیں۔ (۲)

مگر عہدِ حاضر کی نسبت سے مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے ان القاب کی تجدید فرمائی ہے، جن کو شیخ عبدالفتاح غدّہؒ نے مستحسن قرار دیتے ہوئے بعض حضرات سے اس کی تائید بھی نقل فرمائی ہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

محدّث: وہ ہے جو کتبِ حدیث کے مطالعے اور درس وتدریس کے ساتھ ہی زیادہ تر اِشتغال رکھے۔

حافظ: ایسا اشتغال رکھنے والا وہ عالم جو فنی تحقیقات کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ حدیث کو سنتے ہی اس کا علم اس کو بتادے کہ یہ حدیث ”صحاح“ میں سے ہے ”حسان“ یا ”ضِعاف“ میں سے، نیز اس کو ایک ہزار سے زائد احادیث زبانی یاد ہوں۔

حجت: وہ محدث کہلائے گا جو کہ فن کی معلومات وتحقیقات میں اتنا عالی مقام رکھتا ہو کہ وہ کسی حدیث کی تحقیق کی نسبت سے جو کچھ کہہ دے اس کے ہم عصر اس کو تسلیم کرلیں یعنی اس کا یہ قول اس کے معاصرین کے ہاں حجت ہو۔

---

(۱) ہٰذا ما استفدتہ من ”علوم الحدیث“ و ”قواعد فی علوم الحدیث“ وغیرہما۔

(۲) (**محدّث:** وہ عالم جسے حدیث کے الفاظ ومعانی دونوں کا علم ہو نیز روایات اور ان کے راویوں کے بڑے حصے سے واقف ہو، محض الفاظِ روایات کا ہی ناقل نہ ہو۔

حافظ: ایسا محدث جس کو ایک لاکھ احادیث زبانی یاد ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کا پورا علم ہو۔

حجت: ایسا محدث جس کو تین لاکھ احادیث زبانی یاد ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کا پورا علم ہو۔

حاکم: ایسا محدث جس کو موجود تمام احادیث احوالِ رواۃ سمیت متناً وسنداً یاد ہوں نیز ان کا پورا علم ہو)

وسیلة الظفر اردو شرح نخبة الفِكَر

یعنی

عام فہم اصولِ حدیث

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم

حصہ اول (کتاب کا نصفِ اول)

الْحَمْدُ لله الَّذِی لَمْ یَزَلْ عَالِماً قَدِیراً، وصَلَّى اللهُ عَلى سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الَّذِی أَرْسَلَهُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً بَشِیراً وَنَذِیراً، وعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وصَحْبِهِ وسَلَّمَ تَسْلِیماً كَثِیراً.

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ التَّصَانِیفَ فِی اصْطِلاحِ أَهْلِ الْحَدِیثِ قَدْ كَثُرَتْ، وبُسِطَتْ وَاخْتُصِرَتْ، فَسَأَلَنِی بَعْضُ الْإِخْوَانِ أَنْ أُلَخِّصَ لَهُ الْمُهِمَّ مِنْ ذٰلِكَ، فَأَجَبْتُهُ إِلَى سُؤَالِهِ رَجَاءَ الْاِنْدِرَاجِ فِی تِلْكَ الْمَسَالِكِ.

تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو علم کا مالک اور بڑی قدرت کا حامل ہے۔ اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جن کو اللہ نے تمام انسانیت کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ نیز آپ ﷺ کی آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر بھی بہت بہت سلام ہو۔

اس کے بعد معروض ہے کہ محدثین کی اصطلاحات کے بارے میں تصانیف بہت ہو چکی ہیں، مفصل بھی لکھی گئی ہیں اور مختصر بھی۔ (یعنی ــ "اصول حدیث ــ" کے فن میں کثیر، مفصل اور مختصر تصانیف معرضِ وجود میں آ چکی ہیں)۔

اس پر بعض بھائیوں (شاگردوں) نے مجھ سے اس بات فرمائش کی کہ میں ان کیلئے ان کتب میں سے اہم اہم مباحث کا خلاصہ تحریر کر دوں۔ چناں چہ میں نے (یہ کتاب تحریر کر کے) ان کی اس فرمائش پر اس غرض سے لبیک کہی کہ (محدثین کی) ان راہوں میں میرا نام بھی درج ہو جائے۔

فَأَقُولُ: الْخَبَرُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ:

1- طُرُقٌ بِلا عَدَدٍ مُعَيَّنٍ. 2- أَوْ مَعَ حَصْرٍ بِمَا فَوْقَ الاثْنَيْنِ.

3- أَوْ بِهِمَا. 4- أَوْ بِوَاحِدٍ.

فَالأَوَّلُ: الْمُتَوَاتِرُ الْمُفِيدُ لِلْعِلْمِ الْيَقِينِيِّ بِشُرُوطِهِ.

والثَّانِي: الْمَشْهُورُ وَهُوَ الْمُسْتَفِيضُ عَلَى رَأْيٍ.

والثَّالِثُ: الْعَزِيزُ، وَلَيْسَ شَرْطًا لِلصَّحِيحِ، خِلافًا لِمَنْ زَعَمَهُ.

والرَّابِعُ: الغَرِيبُ. وَكُلُّهَا - سِوَى الأَوَّلِ - آحَادٌ.

ترجمہ: تو میں کہتا ہوں کہ ــ "خبر (یعنی حدیث) ــ" کی:

متعدد اسانید ہوں گی، کسی عدد معیّن کے بغیر؛ یا یہ اسانید عدد معیّن کے ساتھ ہوں گی: دو سے زیادہ سندوں کے ساتھ؛ یا دو سندوں کے ساتھ؛ یا ایک سند کے ساتھ۔

قسمِ اول ــ "حدیثِ متواتر ــ" ہے جو اپنی شرائط کے ساتھ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

قسمِ ثانی ـــ "حدیثِ مشہور ـــ" ہے اور یہی (حدیث مشہور) بعض ائمہ کی رائے پر ـــ "حدیثِ مُستفیض ـــ" کہلاتی ہے۔

قسمِ ثالث ـــ "حدیثِ عزیز ـــ" ہے اور حدیثِ صحیح کیلئے حدیثِ عزیز ہونا شرط نہیں ہے برخلاف اُس امام کے جس نے اِس (امرِ مذکور) کا گمان کیا ہے۔

قسمِ رابع ـــ "حدیثِ غریب ـــ" قسمِ اول کے علاوہ باقی تمام اقسام ـــ "اخبارِ آحاد ـــ" ہیں۔

تشریح:

یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ راویوں کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم بیان کر رہے ہیں۔

حدیث کی ابتدائی تقسیم

محدثین شافعیہ کے نزدیک حدیث کی ابتداءً دو قسمیں ہیں۔ (۱) خبرِ متواتر (۲) خبرِ واحد۔ اور اس تقسیم کو "تقسیمِ ثُنائی" کہتے ہیں۔

۱۔ خبرِ متواتر:

وہ حدیث ہے "جس کے راوی ہر زمانے میں اس قدر کثیر ہوں کہ اُن سب کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو"۔

مثال: من كذب على متعمدا، فليتبوأ مقعده من النار (تیسیر)

۲۔ خبرِ واحد:

وہ حدیث ہے "جس کے راوی اس قدر کثیر نہ ہوں"۔

پھر خبرِ واحد کی تین قسمیں ہیں: (۱) خبرِ مشہور (۲) خبرِ عزیز (۳) خبرِ غریب

۱۔ خبر مشہور:

وہ حدیث ہے ”جس کے راوی ہر زمانہ میں کم از کم تین ہوں“۔ خبر مشہور کو ”خبر مستفیض“ بھی کہتے ہیں۔

مثال: ”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ“، و ”المھاجر من ھجر ما حرم اللہ“ (تیسیر)

۲۔ خبر عزیز:

وہ حدیث ہے ”جس کے راوی ہر زمانہ میں کم از کم دو ہوں“۔ (۱)

مثال: لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔ (تیسیر)

۳۔ خبر غریب:

وہ حدیث ہے ”جس کا راوی ہر زمانہ میں کم از کم ایک ہو“ (۲)۔ اس کی مزید وضاحت مع الامثلہ عنقریب آگے آرہی ہے۔

مذہب احناف: (۳)

احناف کے نزدیک حدیث کی ابتداءً تین قسمیں ہیں:

(۱) خبر متواتر (۲) خبر مشہور (۳) خبر واحد

اور اس تقسیم کو ”تقسیم ثلاثی“ کہتے ہیں۔

---

(۱) بعض علماء نے حدیث صحیح کے لئے جو شرط لگائی ہے کہ وہ عزیز ہو یعنی صحیح کیلئے ہر زمانہ میں کم از کم دو راوی ہوں۔ مصنفؒ نے ”لیس لھا شرطا للصحیح“ سے اس کا رد کیا ہے۔ یعنی حدیث صحیح کا حدیث عزیز ہونا ضروری نہیں ہے

(۲) غریب حدیثوں کے بارے میں جو تصنیف مشہور ہے وہ ”غرائب مالک“ ہے، اس کے مصنف ”امام دار قطنی“ ہیں۔

(۳) یہ اور اس سے آئندہ مضمون ”دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیۃ“ سے ماخوذ و مستفاد ہے۔

۱۔ خبر متواتر:

خبر متواتر وہ حدیث ہے ”جس کے راوی ہر زمانے میں اس قدر کثیر ہوں کہ اُن سب کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو“۔

۲۔ خبر مشہور:

حدیث مشہور وہ ہے ”جو قرنِ اوّل میں خبر واحد تھی، پھر قرن ثانی اور قرن ثالث میں پھیل گئی ہو، اور اتنے راوی، روایت کرنے والے ہو گئے ہوں کہ اُن سب کے جھوٹ پر جمع ہونے کا وہم نہ کیا جا سکتا ہو۔

۳۔ خبر واحد:

ہر وہ حدیث ہے جس کو ایک یا دو یا اس سے زائد، راوی روایت کرنے والے ہوں، اس میں تعداد کا اعتبار نہیں ہے، لیکن یہ حدیث مشہور اور متواتر سے کم درجہ رہے۔

کلها سوی الاول احاد میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ احادیث کی مذکورہ اقسامِ اربعہ (متواتر، مشہور، عزیز اور غریب) میں پہلی قسم (متواتر) کے علاوہ باقی تینوں قسمیں (مشہور، عزیز اور غریب) خبر واحد ہیں۔ واضح رہے کہ یہ شوافع کے نزدیک ہے۔

مذہب احناف:

احناف کے نزدیک خبر مشہور، خبر واحد کی قسم نہیں ہے (دراسات)

وَفِيها المَقْبُولُ والمَرْدُودُ، لِتَوَقُّفِ الاسْتِدْلالِ بِها عَلَى البَحْثِ عَنْ أَحْوالِ رُواتِها، دُونَ الأَوَّلِ، وَقَدْ يَقَعُ فِيها مَا يُفِيدُ العِلمَ النَّظَرِيَّ بالقَرائِنِ عَلَى المُخْتارِ.

ثُمَّ الغَرَابَةُ: إِمَّا أَنْ تَكُونَ فِي أَصْلِ السَّنَدِ، أَوْلَا.

فَالأَوَّلُ: الفَرْدُ المُطْلَقُ. والثَّانى: الْفَرْدُ النِّسبِيُّ، ويَقِلُّ إِطْلاقُ الفَرْدِيَّةِ عَلَيهِ.

ترجمہ: ان (اخبار آحاد) میں بعض مقبول ہوتی ہیں اور بعض مردود کیونکہ اِن (اخبار آحاد) سے استدلال اِن کے راویوں کے احوال کی تحقیق پر موقوف ہوتا ہے، نہ کہ قسم اول (یعنی قسم اول ــــ ”متواتر ــــ“ میں مقبول اور مردود نہیں ہوتیں کیونکہ متواتر سے استدلال کرنا اس کے رواۃ کی تحقیق پر موقوف نہیں ہوتا)۔

راجح قول کے مطابق ان اخبار آحاد میں کبھی ایسی خبر واحد بھی پائی جاتی ہے جو قرائن کی وجہ سے علم یقینی نظری (استدلالی) کا فائدہ دیتی ہے (اگرچہ اخبار آحاد عموماً علم ظنی کا فائدہ دیتی ہیں)۔

پھر ــــ”غرابت ــــ“ یا تو سند کے شروع میں ہوگی (یعنی طبقۂ تابعین میں)، یا سند کے شروع میں نہیں ہوگی (بلکہ نیچے کہیں ہوگی)۔ قسمِ اول ــــ”فردِ مطلق ــــ“ اور قسمِ ثانی ــــ”فردِ نِسبی ــــ“ کہلاتی ہے۔ ــــ”فردِ نِسبی ــــ“ پر فرد ہونے کا اطلاق کم ہوتا ہے۔

تشریح:

یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ خبر واحد کی بعض اقسام مقبول ہیں اور بعض مردود، کیونکہ جب ہم خبر واحد سے استدلال کریں گے تو ہم اس کے راویوں کے احوال دیکھیں گے۔ اگر راوی ثقہ ہیں تو (وہ حدیث) مقبول ہوگی، اور اگر راوی ثقہ نہیں تو (وہ حدیث) مردود ہوگی۔

”وقد یقع فیھا ما یفید العلم النظری بالقرائن علی المختار“:

علم کی قسمیں:

ازراہِ تمہید، یہ معلوم ہو جائے کہ علم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) علم یقینی قطعی: یہ وہ علم ہے جو بلا استدلال بداھۃً حاصل ہو۔ اس کے لیے مقدمات کی ترتیب اور نظر و فکر کی ضرورت نہ پڑے۔

(۲) علم یقینی نظری: یہ وہ علم ہے جس سے یقین کا فائدہ تو حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے لیے مقدمات کو ترتیب دینے اور نظر و فکر کو کام میں لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) علم ظنّی: یہ وہ علم ہے جو یقین کا فائدہ نہ دے۔

خبرِ متواتر، علم یقینی قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔ خبرِ مشہور، علم یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہے اور خبر واحد، علم ظنّی کا فائدہ دیتی ہے۔

بہر حال عبارتِ بالا سے مصنفؒ یہ بتا رہے ہیں کہ کبھی کبھی خبر واحد بھی علم یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس سے پتہ چلے کہ یہاں خبر واحد علم یقینی نظری کا فائدہ دے گی قرینہ کا پایا جانا اس لئے ضروری ہے، کہ قرینہ کے بغیر خبر واحد علم ظنی کا فائدہ دیتی ہے، نہ کہ علم یقینی نظری کا۔

ثم الغرابۃ الخ: حدیثِ غریب (جس کی تعریف ابھی ماقبل میں گزری ہے) کو "فرد" بھی کہتے ہیں، اکثر علماء کے نزدیک یہ دونوں مترادف لفظ ہیں۔ پھر یہ غرابت یا تو اصلِ سند میں ہوگی یا اصلِ سند میں نہیں ہوگی بلکہ درمیان یا آخر میں ہوگی۔

اصل سند کا مطلب یہ ہے کہ غرابت صحابی کی طرف سے ہوگی، لیکن تابعین کے طبقے میں ہو گی یعنی اس حدیث کو صرف ایک تابعی روایت کرنے والا ہوگا، تابعین کے زمانہ کے بعد راوی چاہے زیادہ بھی ہو جائیں۔ اس کو "فردِ مطلق" کہتے ہیں۔

مثال: نھی النبی عن بیع الولاء وھبتہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے) اسے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عبداللہ بن دینار تابعی نے تنہا روایت کیا ہے (علوم الحدیث)

اور غرابت اصل سند میں نہیں ہے بلکہ سند کے درمیان میں یا آخر میں ہے، یعنی پہلے تو اس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ تھے، لیکن درمیان میں یا آخر میں کسی طبقے میں صرف ایک راوی ہے، تو یہ غرابت اسی راوی کی وجہ سے آئی، اس لئے اس حدیث کو ''فردِ نسبی'' کہتے ہیں۔

مثال: مالك عن الزهری عن علی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکة وعلی راسه المغفر۔ (تیسیر)

آخری جملہ میں یہ بتایا ہے کہ ـــ"فردِ نسبی ـــ" پر ـــ"فرد ـــ" کا اطلاق و استعمال کم ہوتا ہے بلکہ عموماً ـــ" فرد نسبی ـــ" پر ـــ"غریب ـــ" کا اطلاق کیا جاتا ہے اور ـــ"فرد مطلق ـــ" پر ـــ"فرد ـــ" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ چہ جب صرف حدیثِ فرد کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے ''فردِ مطلق'' حدیث مراد ہوتی ہے اور جب صرف حدیثِ غریب کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے ''فردِ نسبی'' حدیث مراد ہوتی ہے۔

وَخَبَرُ الآحَادِ بِنَقْلِ عَدْلٍ تَامِّ الضَّبْطِ. مُتَّصِلَ السَّنَدِ. غَيرَمُعَلَّلٍ وَلا شَاذٍّ: هُوَ الصَّحِيحُ لِذَاتِه. وتَتَفَاوَتُ رُتَبُهُ بِتَفَاوُتِ هٰذِهِ الأَوْصَافِ. وَمِنْ ثَمَّ قُدِّمَ صَحِيحُ البُخَارِيِّ، ثُمَّ مُسْلِمٍ، ثُمَّ شَرْطُهُمَا.

ترجمہ: پھر خبر ـــ"واحد ـــ" جو ایسے راوی سے منقول ہو کر آئے جو عادل اور تام الضبط (مکمل ضبط والا) ہو اس حال میں کہ اس خبر واحد کی سند متصل ہو نیز وہ خبر واحد ـــ"معلَّل ـــ" اور ـــ"شاذّ ـــ" بھی نہ ہو تو وہ ـــ"صحیح لذاتہ ـــ" کہلاتی ہے۔ ان اوصاف میں فرق آنے کی وجہ سے

اس (حدیثِ صحیح) کے مراتب میں بھی فرق آجاتا ہے۔ اسی بات کی وجہ سے مقدم کی گئی ہے صحیح بخاری، پھر صحیح مسلم، پھر ان دونوں کی شرط (پر اترنے والی)۔۔۔۔

تشریح:

یہاں سے حدیث مقبول کی ابتدائی تقسیم کا بیان ہو رہا ہے۔ حدیثِ مقبول کی ابتدائی چار اقسام ہیں: (۱) صحیح لذاتہٖ (۲) صحیح لغیرہٖ (۳) حسن لذاتہٖ (۴) حسن لغیرہٖ

صحیح لذاتہٖ

حدیث صحیح لذاتہٖ کی پانچ شرطیں ہیں۔ دو شرطیں راویوں کے متعلق اور تین شرطیں حدیث کے متعلق ہیں۔

راوی کے متعلق شرائط:

(۱) راوی عادل ہو (یعنی احکام شرع کا پابند ہو)۔

(۲) راوی تام الضبط ہو (یعنی اس کا حافظہ قوی اور مضبوط ہو)

حدیث کے متعلق شرائط:

(۱) وہ حدیث متصل السند ہو (یعنی راویٔ حدیث (جیسے امام بخاری، ترمذی، بیہقی وغیرہ مؤلفِ کتاب) سے لیکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک، اس کی سند پوری بیان کی گئی ہو، درمیان میں کسی راوی کو چھوڑا نہ گیا ہو، اور اُس انقطاع کا علم، راویوں کی تاریخ پیدائش اور وفات وغیرہ سے معلوم ہوگا)

(۲) وہ حدیث غیر معلل ہو (یعنی حدیث میں کوئی ایسی علتِ خفیہ(۱) (کمزوری)

---

(۱) اس کو اصطلاح میں "علتِ قادحہ" کہتے ہیں۔

نہ ہو، جو صحت حدیث کو نقصان دیتی ہو اور اس کمزوری کو وہی آدمی معلوم کر سکتا ہے جو علومِ حدیث میں ماہر ہو، یہ ہر آدمی کے بس کا کام نہیں۔ (۱)

(۳) وہ حدیث شاذ نہ ہو۔

تنبیہ:

حدیث صحیح کیلئے جو یہ شرائط و اوصاف بیان ہوئے ہیں ان اوصاف میں فرق آ جانے کی وجہ سے حدیث کے مرتبے میں بھی فرق پڑ جائے گا۔ مثلاً دو حدیثیں ہیں، دونوں صحیح ہیں، دونوں کے راوی بھی ثقہ ہیں مگر ایک حدیث کا راوی زیادہ ثقہ ہے، تو ان دونوں میں اس کا رُتبہ زیادہ ہوگا۔ (۲)

---

[۱] ہمارے لئے پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ علل پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے امام ترمذی کی ''العلل الکبیر'' وغیرہ۔ ان سے ہم مستفید ہو سکتے ہیں

[۱] حدیث صحیح کے مراتب:

انہی اوصاف کے تفاوت کی وجہ سے حدیث صحیح کے مختلف مراتب ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اس حدیث کا سب سے پہلا مرتبہ وہ ہے، جس کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہو۔

ملحوظہ: جو حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہو اور ایک ہی صحابی سے مروی ہو تو اسے ''متفق علیہ'' کہا جاتا ہے۔

(۲) پھر اس حدیث کا رتبہ ہے جس کو صرف امام بخاریؒ نے روایت کیا ہو، امام مسلمؒ نے روایت نہ کیا ہو۔

(۳) تیسرا درجہ اس حدیث کا ہے، جس کو امام مسلمؒ نے تو روایت کیا ہو، امام بخاریؒ نے روایت نہ کیا ہو۔

(۴) چوتھا درجہ اس حدیث کا ہے، جس کو ان دونوں (امام بخاریؒ و مسلمؒ) نے روایت نہ کیا ہو، کسی اور نے روایت کیا ہو، اور وہ حدیث ان دونوں کی شرائط کو سامنے رکھ کر روایت کی گئی ہو یعنی جو جو شرطیں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے لگائی تھیں، انہی شرائط کو سامنے رکھ کر اس نے حدیث روایت کی ہو۔ جیسے امام حاکم نے ''المستدرک علی الصحیحین'' میں اس کی کوشش کی ہے۔

(۵) پانچواں درجہ اس حدیث کا ہے جس کو روایت تو کسی اور نے کیا ہو مگر امام بخاریؒ کی شرائط کو سامنے رکھ کر اس نے روایت کیا ہو۔

(۶) چھٹا درجہ اس حدیث کا ہے جس کو امام مسلمؒ کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہو، مگر امام مسلمؒ کی شرائط کے موافق روایت کیا۔

(۷) ساتواں درجہ اس کا ہے، جس حدیث کو ان دونوں نے روایت نہ کیا ہو، اور نہ وہ حدیث ان دونوں کی شرائط میں سے کسی ایک کی شرط کے موافق ہو۔

تنبیہ: تقسیمِ سبعی کی یہ بحث حافظ ابن صلاحؒ نے ذکر کی ہے اور انہی کی اتباع میں اصول حدیث کے دیگر مصنفین نے بھی اس کو لیا ہے لیکن بہت سارے محققین نے اس تقسیم کو ردّ کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث کی صحت کا مدار اس کے رواۃ اور ان رواۃ کے اوصاف پر ہے نہ کہ اس بات پر کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں ہے تو اصح ہے۔ (اس کے لیے ملاحظہ ہو: حاشیہ توجیہ النظر از شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ)

فَإِنْ خَفَّ الضَّبْطُ: فَالْحَسَنُ لِذَاتِهِ، وَبِكَثْرَةِ طُرُقِهِ يُصَحَّحُ. فَإِنْ جُمِعَا فَلِلتَّرَدُّدِ فِي النَّاقِلِ حَيْثُ التَّفَرُّدُ، وَإِلَّا فَبِاعْتِبَارِ إِسْنَادَيْنِ.

ترجمہ: پھر اگر (راوی کا) ضبط ہلکا ہو تو وہ حدیث ”حسن لذاتہ“ اور یہ ”حسن لذاتہ“ کو اُس کی اسانید کی کثرت کی بناء پر صحیح قرار دے دیا جاتا ہے (اور اسکو پھر ”حدیثِ صحیح لغیرہ“ سے موسوم کیا جاتا ہے)۔ پھر اگر (صحیح اور حسن) دونوں (ایک ہی سند میں) جمع کردی جائیں تو یہ راوی (کے حال) میں تردد کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں تفرد ہو، ورنہ تو دو سندوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

تشریح:

حسن لذاتہ (۱)

حسن لذاتہ کی وہی پانچ شرائط ہیں جو صحیح لذاتہ کی تھیں، مگر اس کا راوی خفیف الضبط ہوتا ہے یعنی اُس کا حافظہ تو ہوتا ہے مگر اُس درجے کا نہیں ہوتا جو صحیح لذاتہ کے راوی کا ہوتا ہے۔

اہم نکتہ:

”مصابیح السنۃ“ (اور پھر ”مشکوۃ شریف“) میں ایک مخصوص اصطلاح ”صحیح“ کے تحت کا اطلاق ان احادیث پر کیا گیا ہے جو ”صحیحین“ سے نقل کی گئی ہیں اور ”حسن“ کا اطلاق ”سننِ خمسہ“ (سنن نسائی، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن دارمی) کی روایت کردہ احادیث پر کیا گیا ہے۔

---

(۱) حسن لذاتہ کو ”صحیح لغیرہ“ پر مقدم کیا، کیونکہ صحیح لغیرہ کا سمجھنا حسن لذاتہ پر موقوف ہے۔

صحیح لغیرہ

جب حدیثِ ”حسن لذاتہ“ متعدد طرق سے آئے (یعنی متعدد سندوں سے روایت کی گئی ہو) اور ہر سند میں خفیف الضبط راوی ہو تو یہ حسن متعدد طرق کی وجہ سے ”صحیح لغیرہ“ بن جاتی ہے۔ متعدد طرق کا مطلب یہ ہے کہ ”سند ایک سے زائد ہو“۔

اگر ضُعف، راوی کے سوءِ حفظ کی وجہ سے ہے، یا انقطاع کی وجہ سے ہے، تو پھر متعدد طرق کی وجہ سے ”مرتقی الی الحسن“ ہو جائے گی۔ اور اگر یہ ضعف، راوی کے کذب یا اتہام بالکذب کی وجہ سے ہو تو پھر مرتبۂ حسن تک نہیں پہنچے گی۔

حدیث ضعیف

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے ”جس میں حدیث حسن کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو“ مثلاً راوی ”ضبط“ کے معاملہ میں سیی ء الحفظ ہے، یا سند میں انقطاع ہے، یا راوی مجہول ہے، یا فاسق ہے، مثلاً اگر ان میں سے کوئی چیز بھی پائی گئی تو یہ ”حدیث ضعیف“ ہو گی۔

حدیثِ ضعیف کا حکم:

حدیثِ ضعیف (جو حسن لغیرہ تک نہ پہنچے) سے نہ تو کوئی عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ اس سے کسی فقہی حکم کے استنباط کے لیے استدلال کیا جاتا ہے(۱)۔ ہاں! صرف فضائلِ اعمال میں قبول ہے، مگر تین شرائط کے ساتھ:

---

(۱) اگر کوئی فقہی مسئلہ آجائے، جس کے بارے میں ہمارے پاس حدیث ضعیف ہے، اور کوئی حدیث نہیں ہے اور دوسری طرف قیاس ہے، تو پھر احناف کے نزدیک حدیث ضعیف سے مسئلہ کا استنباط کریں گے اور قیاس کو چھوڑ دیں گے بشرطیکہ حدیث میں جو ضعف ہو وہ راوی کے کذب و فسق کی وجہ سے نہ ہو۔

(۱) ضعف شدید نہ ہو (یعنی سند میں کوئی راوی کذّاب یا متّہم بالکذب وغیرہ نہ ہو)

(۲) جو چیز ثابت ہو رہی ہے وہ شریعت کی کسی اصل معمول بہ کے تحت مُندرج ہو (مثلاً نوافل کے فضائل کے بارے میں کوئی حدیث ہے، تو اب نماز پہلے سے معمول بہ ہے، لہٰذا یہ شرط پوری ہوگئی)

(۳) رسول اکرم ﷺ کی طرف جزماً نسبت کیے بغیر اس پر عمل کیا جائے (تدریب الراوی، فتح المغیث، تیسیر، وغیرہ)

حدیثِ ضعیف کا حکمِ روایت:

حدیث ضعیف اگر موضوع نہ ہو تو ضعف کو بیان کئے بغیر، اس کی روایت دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

(۱) عقائد (مثلاً صفاتِ باری تعالیٰ وغیرہ) سے اس کا تعلق نہ ہو۔

(۲) حلال وحرام سے متعلق نہ ہو (یعنی مواعظ، ترغیب وترہیب اور قصص وغیرہ سے اس کا تعلق ہو) (تیسیر، وغیرہ)

تنبیہ:

اس سے معلوم ہوا کہ حدیثِ ضعیف فی الجملہ معمول بہ احادیث میں سے ہے۔ اس کو ”موضوعات“ کے ساتھ درج کر کے غیر معمول بہ ہونے کا تأثر دینا صحیح نہیں۔

فان جمعا فللتردد الخ: یہاں سے مصنفؒ یہ بیان کر رہے ہیں کہ امام ترمذیؒ کا دستور یہ ہے کہ حدیث کا حکم بیان کرتے وقت بہت سی جگہوں پر ”حسن“ اور ”صحیح“ کو جمع کر دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں۔ ”ھذا حدیث حسن صحیح“۔

مصنفؒ نے فرمایا یہ جمع کرنا دو وجہوں سے ہوتا ہے:

اوّل: اگر اس حدیث میں تفرد ہو یعنی اس حدیث کی ایک ہی سند ہو، تو مطلب یہ ہو گا کہ امام ترمذیؒ کو اس حدیث کے راوی میں تردّد ہے، کہ یہ راوی ''تام الضبط'' ہے یا ''خفیف الضبط'' ہے۔

ثانی: اور اگر وہ حدیث دو یا دو سے زیادہ سندوں کے ساتھ مروی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک سند کے اعتبار سے ''صحیح'' ہے اور دوسری سند کے اعتبار سے ''حسن'' ہے۔

توضیح بعض مصطلحات:

(۱) اگر کوئی مصنف کسی حدیث کے بارے میں "اسنادہ حسن" کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اسی سند کے بارے میں حکم لگا رہا ہے اور خبر دے رہا ہے کہ یہ سند حسن ہے۔ جہاں تک نفسِ حدیث کا تعلق ہے سو عین ممکن ہے کہ وہ حدیث دوسرے طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے صحیح (یعنی صحیح لغیرہ) ہو۔

(۲) اسی طرح ''اسنادہ ضعیف'' سے متنِ حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حدیث متعدد طریق کی وجہ سے ''حسن لغیرہ'' بن چکی ہو۔

وَزِيَادَةُ رَاوِيهِمَا مَقْبُولَةٌ مَا لَمْ تَقَعْ مُنَافِيَةً لِمَنْ هُوَ أَوْثَقُ. فَإِنْ خُولِفَ بِأَرْجَحَ فَالرَّاجِحُ "الْمَحْفُوظُ"، وَمُقَابِلُهُ "الشَّاذُّ"، وَمَعَ الضُّعْفِ فَالرَّاجِحُ "الْمَعْرُوفُ"، وَمُقَابِلُهُ "الْمُنْكَرُ".

ترجمہ: اور حدیثِ صحیح وحسن کے راوی کی زیادتی مقبول ہے جب تک وہ زیادتی منافی (ومخالف) نہ ہو اُس راوی (کی حدیث) کے جو اُس سے "اوثق" ہو۔ پھر اگر حسن

وصحیح کے اِس ثقہ راوی کی مخالفت کی گئی اِس سے ارجح راوی(۱) کے ذریعہ، تو (ارجح والی) راجح حدیث ـــ"محفوظ"ـــ ہے اور اس (محفوظ) کی بالمقابل (ثقہ والی) حدیث ـــ"شاذّ"ـــ ہے اور ضعفِ راوی کے ساتھ (مخالفت کی صورت میں، ثقہ والی) راجح حدیث ـــ"معروف"ـــ ہے اور اس (معروف) کی بالمقابل (ضعیف راوی والی) حدیث ـــ"منکر"ـــ ہے۔

تشریح:

یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر حدیثِ صحیح یا حسن کا راوی کسی حدیث میں اضافہ وزیادتی کرے تو اس کا کیا حکم ہے، اور اس کے اعتبار سے حدیث کی کتنی قسمیں بنتی ہیں۔

مذکورہ راوی نے حدیث میں زیادتی کی، تو یہ زیادتی کسی دوسرے راوی کی حدیث کے مخالف ہوگی، یا مخالف نہیں ہوگی۔ مخالف نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ "اس کی حدیث دوسرے راوی کی حدیث کی ضد نہ ہو" یعنی اس کا مضمون دوسرے راوی کی حدیث کے برعکس اور متضاد نہ ہو۔

اگر اُس کی حدیث میں زیادتی، دوسرے راوی کی حدیث کے مخالف نہیں ہے تو زیادتی قبول ہوگی؛ اور اگر اُس کی حدیث کی زیادتی، دوسرے راوی کی حدیث کے مخالف ہے تو اس کی چار قسمیں ہیں:

دوسری حدیث کا راوی، اس راوی سے اوثق ہوگا یا ضعیف۔ اگر اوثق ہے تو اس (اوثق

---

(۱) ـــ"ارجح"ـــ راوی کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ارجح راوی اِس ثقہ راوی سے زیادہ ثقہ ہو یعنی ـــ"اوثق"ـــ ہو اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ارجح، اِس ثقہ راوی سے عدد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے ارجح ہو بایں طور کہ وہ ثقہ آدمی دو ہوں اور یہ ثقہ تو ایک شخص ہے لہٰذا وہ ـــ"ارجح"ـــ ہوا۔

وارجح) کی حدیث ''محفوظ'' اور ثقہ (زیادتی کرنے والے) کی حدیث ''شاذ'' ہوگی۔ اور اگر دوسری حدیث کا راوی ضعیف ہے تو اس (ضعیف) کی حدیث ''منکر'' اور ثقہ کی حدیث ''معروف'' ہوگی۔ (۱)

ف: محفوظ اور معروف یہ دونوں مقبول ہیں، اور ''شاذ'' اور ''منکر'' یہ دونوں مردود ہیں۔

وَالْفَرْدُ النِّسْبِیُّ: إِنْ وَافَقَهُ غَيْرُهُ فَهُوَ الْمُتَابِعُ.

وَإِنْ وُجِدَ مَتْنٌ يُشْبِهُهُ فَهُوَ الشَّاهِدُ. وَتَتَبُّعُ الطُّرُقِ لِذٰلِكَ هُوَ الْاعْتِبَارُ.

ترجمہ: اور اگر (حدیث بیان کرنے میں) حدیث ''فردِ نسبی'' کے راوی کی موافقت کرے کوئی دوسرا راوی تو وہ (دوسرا راوی) ''مُتابِع'' ہے اور اگر کوئی ایسا متنِ حدیث پایا جائے جو اِس فردِ نسبی والی حدیث کے متن کے مُشابِہ ہو تو وہ (دوسرا متن) ''شاہد'' ہے۔ اور (متابع و شاہد معلوم کرنے کی غرض سے) اس (حدیثِ فردِ نسبی) کیلئے سندیں تلاش کرنا ''اعتبار'' (کہلاتا) ہے۔

---

(۱) اس مبحث کو یوں بھی بیان کرسکتے ہیں:

ایک راوی دوسرے راوی کی مخالفت کرے تو اس کی کل دو صورتیں ہیں جن کے ذیل میں چار قسمیں بنتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ راوی دونوں طرف ثقہ ہیں البتہ ایک طرف کے راوی، دوسری طرف کے راوی کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط یا زیادہ تعداد میں ہیں۔ اس صورت میں زیادہ مضبوط اور زیادہ تعداد والی روایت کو ''محفوظ'' کہیں گے اور دوسری طرف کی حدیث کو ''شاذ'' کہیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں طرف کے راوی ثقہ نہیں بلکہ ایک طرف کے راوی تو ثقہ ہیں اور دوسری طرف کے راوی ضعیف ہیں۔ اس صورت میں ثقہ کی روایت کو ''معروف'' اور ضعیف کی روایت کو ''منکر'' کہیں گے۔

ف: "وَافَقَهٗ" کی ضمیر منصوب اور "غَيْرُهٗ" کی ضمیر مجرور کا راوی کے بجائے حدیث کی طرف راجع ہونا بھی جائز ہے۔ اور پھر ترجمہ یہ ہوگا: [اور اگر حدیث "فردِ نسبی" کی موافقت کرے کوئی دوسری حدیث تو وہ (دوسری حدیث) "مُتابِع" ہے۔] اور یہی مطلب بالعموم مُستخدَم وشائع ہے۔

تشریح:

یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ بعض دفعہ حدیث غریب یا ضعیف ہوتی ہے۔ تو محدث سب سے پہلے اس حدیث کے ضُعف کو دور کرنے کیلئے تتبع طرق (یعنی اس کی مزید اسانید) تلاش کرے گا، اس عمل کو ''اعتبار'' کہتے ہیں۔ اعتبار ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ اب ایک حدیث ضعیف آگئی، تو ہم اُس کے ضُعف کو دُور کرنے کیلئے سب سے پہلے اس کے مشابہ حدیث ڈھونڈیں گے جو اس پہلی حدیث کے مشابہ ہو لیکن دوسری سند سے آئی ہو۔ اب چاہے مشابہت الفاظ میں ہو، یعنی دونوں حدیثوں کے الفاظ ایک جیسے ہوں، یا مشابہت معنی میں ہو، یعنی الفاظ تو ایک جیسے نہیں، مگر مطلب دونوں کا ایک ہے۔

اب جب ہمیں دوسری مشابہ حدیث مل گئی تو اس کی وجہ سے پہلی حدیث میں ایک قسم کی قوت آجائے گی جس سے اس کا ضُعف دُور ہو جائے گا اور وہ حدیث درجۂ ضعف سے مرتقی ہو کر درجۂ حسن تک پہنچ جائے گی۔

اب اگر ان دونوں حدیثوں کا راوی صحابی ایک ہے مثلاً پہلی سند والی حدیث حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے اور دوسری سند والی حدیث بھی حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے تو اس دوسری حدیث کو (یعنی جس کو تائید کے لیے ڈھونڈ کر

نکالا ہے مُتابِع اور پہلی کو (یعنی جس حدیث کی تائید کی گئی ہے مُتابَع کہتے ہیں۔

مثال: **الشهر تسع وعشرون فلا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلاثین**

بعض حضرات کا خیال یہ تھا کہ آخری کلمات "فاکملوا العدة ثلاثین" صرف امام شافعیؒ نے ذکر کئے اور امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے امام شافعیؒ کے علاوہ دوسرے شاگردوں نے یہ والے الفاظ ذکر کئے: **فان غم علیکم فاقدروا له.**
لیکن جب "اعتبار" کا طریقہ اپنایا تو امام شافعیؒ کی روایت کا "متابِع" مل گیا۔ دوسری روایت امام مالکؒ کے شاگرد عبداللہ بن مسلمہ سے اسی طرح مروی ہے، یعنی "فاکملوا العدة ثلاثین" لہٰذا یہ دوسری روایت متابِع، اور پہلی امام شافعیؒ والی روایت متابَع ہو گی۔ (تیسیر، وغیرہ)

اور اگر ان دونوں حدیثوں کا راوی صحابی مختلف ہے، مثلاً پہلی حدیث کے راوی ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور دوسری حدیث کے راوی حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں، تو دوسری کو "شاہد" کہتے ہیں۔

وہی اُوپر والی حدیث ہے، کیونکہ اسی حدیث کی ایک سند "محمد بن حُنین" کے واسطے سے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے بھی مروی ہے، اس میں بھی وہی الفاظ ہیں جو الفاظ امام شافعیؒ کی روایت میں تھے، یعنی "فاکملوا العدة ثلاثین" (تیسیر، وغیرہ)

ان دونوں حدیثوں کا راوی صحابی مختلف ہے کیونکہ پہلی روایت جو حضرت امام شافعیؒ سے مروی ہے، اس روایت کا صحابی والا راوی حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہے، جبکہ دوسری روایت کا صحابی والا راوی حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہے۔

تنبیہ: کبھی متابع کی جگہ ”شاہد“ اور ”شاہد“ کی جگہ ”متابع“ بھی بولا جاتا ہے۔ (تیسیر)

فائدہ: اس اعتبار والے عمل کا فائدہ یہ ہے کہ اگر حدیث ضعیف ہے، تو حسن لغیرہٖ ہو جائے گی، اور اگر حدیث حسن ہے، تو صحیح لغیرہٖ ہو جائے گی۔ یہ بات اس وقت ہے جب ضُعف راویوں کے کذب وفسق کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ ضُعف، انقطاع یا جہالت یا سوءِ حفظ کی وجہ سے ہو۔

اگر ضُعف کذب وفسق کی وجہ سے ہے پھر متابعت اس جیسے لوگوں یعنی کاذب وفاسق سے ہے تو وہ حدیث ”حسن لغیرہ“ نہیں بنے گی۔ ہاں! تعدد طرق کی وجہ سے منکر اور بے اصل ہونے کی حد سے نکل کر مستور اور سیئ الحفظ کی روایت کے درجہ میں ہو جائے گی، پھر اگر مزید اس کی تائید میں کوئی دوسری ایسی ضعیف حدیث مل جائے جس کے ضُعف کو گوارا کیا جاسکتا ہو تو پورے مجموعے کو دیکھتے ہوئے اُس کو ”حسن لغیرہ“ کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ (علوم الحدیث)

ثُمَّ الْمَقْبُولُ: إِنْ سَلِمَ مِنَ الْمُعَارَضَةِ فَهُوَ الْمُحْكَمُ. وَإِنْ عُورِضَ بِمِثْلِهِ: فَإِنْ أَمْكَنَ الْجَمْعُ فَمُخْتَلِفُ الْحَدِيثِ. أَوْلَا وثَبَتَ الْمُتَأَخِّرُ فَهُوَ النَّاسِخُ، وَالْآخَرُ الْمَنْسُوخُ. وَإِلَّا فَالتَّرْجِيحُ، ثُمَّ التَّوَقُّفُ.

ترجمہ باعتبارِ عبارتِ متن (نخبۃ الفکر)

آ— ترجمہ بلا قوسین:

پھر حدیثِ مقبول: اگر معارضہ سے محفوظ ہو تو وہ ”مُحکم“ ہے اور اگر حدیثِ مقبول کا اُسی جیسی حدیث سے مقابلہ کیا گیا ہو تو پھر اگر جمع کرنا ممکن ہو تو وہ ”مختلف الحدیث“

ہے۔ یا نہ ہو اور حال یہ ہو کہ متاخر حدیث، ثابت و معلوم ہو تو وہ ــ ”ناسخ“ ــ ہے اور دوسری ــ ”منسوخ“ ــ ہے۔ ورنہ تو ــ ”ترجیح“ ــ ہے پھر ــ ”توقف“ ــ ہے۔

ب ــ ترجمہ مع قوسین:

پھر حدیثِ مقبول: اگر معارضہ (یعنی مخالفت) سے محفوظ ہو تو وہ ــ ”مُحکَم“ ــ ہے اور اگر حدیثِ مقبول کا اُسی جیسی حدیث سے مقابلہ کیا گیا ہو تو پھر اگر (ان دونوں مُعارض احادیث کو) جمع کرنا ممکن ہو تو وہ ــ ”مختلِف الحدیث“ ــ ہے۔ یا (ان کو جمع کرنا ممکن) نہ ہو اور حال یہ ہو کہ (ان میں سے) متاخر حدیث، ثابت و معلوم ہو تو وہ (حدیثِ متاخر) ــ ”ناسخ“ ــ ہے اور دوسری (حدیثِ متقدم) ــ ”منسوخ“ ــ ہے۔ ورنہ (یعنی اور اگر متاخر، ثابت نہ ہو سکے) تو ــ ”ترجیح“ ــ ہے پھر ــ ”توقف“ ــ ہے۔

ترجمہ باعتبارِ عبارتِ شرح (نزہۃ النظر):

أ ــ ترجمہ بلا قوسین:

پھر حدیثِ مقبول: اگر معارضہ سے محفوظ ہو تو وہ ــ ”مُحکَم“ ــ ہے اور اگر حدیثِ مقبول کا اُسی جیسی حدیث سے مقابلہ کیا گیا ہو تو پھر اگر جمع ممکن ہو گی تو وہ ــ ”مختلِف الحدیث“ ــ ہے، یا نہیں ہو گی۔ اور متاخر ثابت ہو جائے تو وہ ــ ”ناسخ“ ــ ہے اور دوسری ــ ”منسوخ“ ــ ہے۔ ورنہ ــ ”ترجیح ہو گی“ پھر ــ ”توقف“ ــ ہو گا۔

ب ــ ترجمہ مع قوسین:

پھر حدیثِ مقبول: اگر معارضہ (یعنی مخالفت) سے محفوظ ہو تو وہ ــ ”مُحکَم“ ــ ہے اور اگر حدیثِ مقبول کا اُسی جیسی حدیث سے مقابلہ کیا گیا ہو تو پھر اگر (ان دونوں مُعارض

احادیث کی باہمی) جمع ممکن ہوگی تو وہ ـــ ”مختلِف الحدیث“ ـــ ہے اگر (ان) کو جمع کرنا ممکن نہ ہوتو پھر یا توان دونوں حدیثوں کی تاریخ معلوم ہوگی) یا (معلوم) نہیں ہوگی۔ (پھر اگر ان کی تاریخ معلوم ہو) اور (ان میں سے کوئی ایک حدیث، تاریخ کے ذریعے) متاخر ثابت ہوجائے تو وہ (متاخر حدیث) ـــ ”ناسخ“ ـــ ہے اور دوسری (متقدم حدیث) ـــ ”منسوخ“ ـــ ہے۔ ورنہ (یعنی اور اگر تاریخ معلوم نہ ہوسکے تو پھر وجوہِ ترجیح میں سے کسی وجہ کے ذریعہ ایک حدیث کو دوسری پر) ـــ ”ترجیح“ اور اگر ترجیح بھی ممکن نہ ہوئی تو پھر (ان معارض حدیثوں میں سے کسی بھی ایک حدیث پر عمل کرنے سے) ـــ ”توقف“ ـــ ہوگا (جب تک اس کا حکم واضح نہ ہوجائے)۔

تشریح:

حدیث مقبول کی عمل کے اعتبار سے اقسام

حدیث مقبول پر عمل کرنے کے اعتبار سے مختلف قسمیں ہیں ”صاحب تحفۃ الدُّرر“ نے سات قسمیں بیان کی ہیں، جبکہ ”صاحب تیسیر مصطلح الحدیث“ اور ”صاحب علوم الحدیث“ نے چار اقسام بیان کی ہیں۔ بقیہ تین کو چار کے اندر ضم کر دیا۔ لہٰذا ہم آسانی کے لئے سات قسمیں بیان کریں گے انشاء اللہ۔

سات قسمیں یہ ہیں:

(۱) محکم (۲) مختلف الحدیث (۳) منسوخ

(۴) ناسخ (۵) راجح (۶) مرجوح

(۷) متوقف فیہ

حدیث مقبول کے معارض (مخالف) کوئی حدیث ہوگی یا نہیں، اگر معارض حدیث نہیں ہے تو یہ حدیثِ مقبول "محکم" ہوگی اور اگر حدیث مقبول کا ہم مثل (۱) کے ساتھ معارضہ ہو تو یہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہوگا یا نہیں۔

اگر جمع کرنا ممکن ہے تو ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک کو "مختلف الحدیث" کہتے ہیں (۲)۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے "لا عدویٰ ولا طیرۃ" (ترجمہ: نہ تو چھوت چھات کچھ ہے اور نہ ہی بدفالی)۔ دوسری حدیث ہے "فرّ من المجذوم فرارك من الاسد" (ترجمہ: کوڑھ کی بیماری والے آدمی سے تو ایسے بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے)

ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، پہلی حدیث میں عدویٰ (چھوت چھات) کی نفی ہے جبکہ دوسری حدیث میں مجذوم (کوڑھی) سے بھاگنے کا حکم دیا گیا، تاکہ یہ بیماری تجھے نہ لگ جائے۔ ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنا ممکن ہے، اس طرح کہ پہلی حدیث میں چھوت چھات کی نفی کا مطلب ہے کہ کوئی بیماری خود بخود اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں لگ سکتی، اصل مؤثر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دوسری حدیث میں بھاگنے کا حکم، اسباب کے درجے میں ہے، اس میں احتیاط کے پہلو کو بیان کیا گیا۔

اگر دونوں حدیثوں کو جمع کرنا ممکن نہیں تو پھر یہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو ان کی تاریخ معلوم ہوگی، یا تاریخ معلوم نہیں ہوگی۔ اگر تاریخ معلوم ہے (۳) تو مقدّم حدیث "منسوخ"

---

(۱) مصنفؒ نے ہم مثل کہا کیونکہ اگر معارض حدیث قوی ہے تو اس معارض کو لے لیں گے، اور دوسری کو چھوڑ دیں گے۔ اسی طرح اگر معارض حدیث ضعیف ہے تو اس معارض کو چھوڑ دیں گے، تعارض کیلئے ہم مثل کا ہونا ضروری ہے۔

(۲) مختلف الحدیث کے بارے میں امام شافعیؒ نے مستقل کتاب "اختلاف الحدیث" تصنیف فرمائی ہے۔

(۳) تاریخ معلوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا زمانہ معلوم ہو، یہ نہیں کہ مخصوص تاریخ یا عین وقت معلوم ہو۔

اور مؤخر حدیث ''ناسخ'' ہوگی۔

جیسے ایک حدیث میں ہے کہ پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری حدیث جو کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوایا۔ اب ہمیں دیگر روایات کی روشنی میں ان دونوں حدیثوں کی تاریخ معلوم ہے کہ پہلی حدیث حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی اور حضرت ابن عباسؓ نے جو واقعہ نقل کیا ہے وہ ''حجۃ الوداع'' کے موقع کا ہے اور یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ حجۃ الوداع، فتح مکہ سے دو سال بعد ہوا تھا لہٰذا روزہ ٹوٹنے والی روایت منسوخ اور روزہ میں پچھنے کے جواز والی روایت ناسخ ہوگی۔

اسی طرح حدیث میں ہے ''جس چیز کو آگ چھو لے، اُس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے''(۱)۔ جبکہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آخری امر یہ تھا کہ آگ والی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا''(۲) اس دوسری حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ مؤخر ہے لہٰذا یہ ''ناسخ'' اور پہلی حدیث ''منسوخ'' ہوگی۔

اگر دونوں حدیثوں کی تاریخ معلوم نہیں تو پھر کوئی وجہ ترجیح ہوگی، یا نہیں۔ اگر وجہ ترجیح ہے تو وہ ''راجح'' ہوگی اور دوسری ''مرجوح'' ہوگی۔

مثال کے طور پر ایک حدیث، مُبیح (کسی چیز کو حلال کرنیوالی) اور دوسری حدیث، مُحرِّم (حرام کرنیوالی) ہے تو محرم کو لے لیں گے، مبیح کو چھوڑ دیں گے۔

اور اگر دونوں کی وجہ ترجیح بھی نہیں ہے تو توقف کریں گے، ایسی حدیث کو متوقف

---

(۱) عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ''توضؤوا مما مست النار''۔

(۲) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کان اخر الامرین من رسول اللہ ﷺ ترك الوضوء مما مست النار''

فیہ'' کہتے ہیں۔ اس کو بالکل ترک نہیں کریں گے، بلکہ فی الحال تو عمل نہیں کریں گے پھر جب کوئی ایک راجح ہوجائے گی تو اس پر عمل کریں گے۔

مذہبِ احناف:

مذکورہ دفعِ تعارض، شوافع کا مذہب ہے کہ پہلے جمع پھر ترجیح ہوگی جبکہ عند المحدثین الحنفیۃ دفعِ تعارض کی راجح ترتیب یہ ہے:

(۱) نسخ (۲) ترجیح (۳) جمع

(۴) نسخِ اجتہادی (۵) تساقط

یہ ترتیب علامہ لکھنویؒ کی ''الاجوبۃ الفاضلۃ'' وغیرہ میں آپ دیکھ سکتے ہیں، وہاں ذرا مفصل ہے۔

ثُمَّ الْمَرْدُودُ: إِمَّا أَنْ يَكُونَ لِسَقْطٍ أَوْ طَعْنٍ فَالسَّقْطُ: إِمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ مَبَادِىءِ السَّنَدِ مِنْ مُصَنِّفٍ أَوْ مِنْ آخِرِهِ بَعْدَ التَّابِعِيِّ، أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ. فَالْأَوَّلُ: الْمُعَلَّقُ. وَالثَّانِي: الْمُرْسَلُ. وَالثَّالِثُ: إِنْ كَانَ بِاثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مَعَ التَّوَالِي فَهُوَ الْمُعْضَلُ، وَإِلَّا فَالْمُنْقَطِعُ.

ترجمہ: پھر ''حدیثِ مردود'' سنداً یا متناً سے کسی راوی کے سَقط (گرنے) کی وجہ سے مردود ہوگی یا کسی راوی میں طعن (عیب لگنے) کی وجہ سے مردود ہوگی۔ پھر سقط: یا تو سند کی ابتداء سے ہوگا مصنف (کی جانب سے اور مصنف ہی کے تصرف) سے، یا پھر سند کے آخر سے ہوگا تابعی کے بعد، یا ابتداء و آخر کے علاوہ (سند کے کہیں درمیان سے سقط ہوگا)۔ چناں چہ سقط کی مذکورہ قسمِ اول ''معلق'' ہے، قسمِ ثانی ''مرسل'' ہے اور قسمِ ''

ثالث: اگر وہ سقط دو راویوں کا یا دو سے زیادہ راویوں کا لگاتار ہو تو وہ "معضل" ہے ورنہ (یعنی اگر سقط دو راویوں کا نہ ہو بلکہ ایک راوی کا ہو، یا ہو تو دو یا زائد راویوں کا مگر لگاتار نہ ہو بلکہ وقفہ سے ہو) تو "منقطع" ہے۔

تشریح:

حدیثِ مردود

اب تک جو قسمیں ہم نے پڑھی ہیں وہ خبر واحد مقبول کی تھیں۔ اب یہاں سے مصنفؒ خبر واحد مردود کی قسمیں بیان فرمارہے ہیں۔ خبر مردود کی پیچھے ضمناً کچھ قسمیں گزر چکی ہیں یہاں سے مصنفؒ خبر مردود کی قسمیں اصالۃً بیان فرمارہے ہیں۔

حدیث دو وجہوں سے مردود ہوتی ہے:

(۱) بسبب سقط (۲) بسبب طعن

حدیثِ مردود بسبب سقط:

جب کوئی راوی سند سے ساقط ہو جائے، چاہے سند کے شروع میں ساقط ہو یا درمیان میں یا آخر میں، تو حدیث مردود ہو جاتی ہے کیونکہ جو راوی ساقط ہوا ہے اُس کا حال معلوم نہیں ہوتا، کہ وہ کیسا راوی تھا، ہو سکتا ہے کہ وہ وضّاع ہو، اسی طرح اور کئی احتمال ہو سکتے ہیں، لہٰذا حدیث کو مردود کر دیتے ہیں۔

راوی یا تو سند کے شروع سے ساقط ہوگا یعنی کتاب کے مصنفؒ نے اپنے استاد کو ہی ساقط کر دیا، یا سند کے آخر سے راوی ساقط ہوگا، آخر سے مراد تابعی کے بعد ساقط ہوگا۔ یا سند کے درمیان سے راوی ساقط ہوگا۔

اگر سند کے شروع سے راوی ساقط ہے مثلاً مصنفِ کتاب سند بیان کرتے وقت اپنے شیخ کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ شیخ کے شیخ کا نام ذکر کر دیا، ایسی حدیث کو "معلق" کہتے ہیں نیز اگر شروعِ سند سے ایک کے بجائے زیادہ راوی ساقط کر دیے تو پھر بھی معلّق کہیں گے۔

اور اگر درمیان سے ایک راوی ساقط ہے؛ یا پھر ایک سے زیادہ ساقط ہیں: لیکن اکٹھے ساقط نہیں ہیں بلکہ ایک ساقط ہے پھر اس سے اُوپر والا مذکور ہے، پھر دوسرا ساقط ہے تو ان دونوں (صورتوں) کو "منقطع" کہتے ہیں۔ اور اگر سند کے درمیان میں دو یا دو سے زیادہ راوی اکٹھے ساقط ہوئے ہیں تو اس حدیث کو "معضل" کہتے ہیں۔ اور اگر سند کے آخر سے راوی (یعنی تابعی کے بعد کا راوی) ساقط ہے تو اسے "مرسل" کہتے ہیں۔

مذہب احناف:

شوافع کے نزدیک حدیثِ مرسَل مردود ہے جبکہ احناف کے ہاں حدیثِ مرسَل دو صورتوں میں مقبول ہو جاتی ہے۔

اوّل: قرونِ ثلاثہ کی مرسَل ہو، یعنی تابعی یا تبع تابعی نے ارسال کیا ہو اور وہ سیدھا کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ثانی: اگر مرسَل قرونِ ثلاثہ کی نہیں، تو پھر دو شرطوں کے ساتھ مقبول ہوگی۔

(۱) مرسِل ثقہ ہو **(۲)** وہ (مرسِل) ہمیشہ ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہو یعنی اُس کی عادت ہے کہ جب بھی راوی حذف کرتا ہے تو ثقہ راوی ہی حذف کرتا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اس مضمون کو "قواعد فی علوم الحدیث" میں بیان کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب بہت عمدہ ہے، اس کا ایک دفعہ ضرور مطالعہ کر لینا چاہئے۔

ثُمَّ قَدْ يَكُونُ وَاضِحًا أَوْ خَفِيًّا. فَالْأَوَّلُ: يُدْرَكُ بِعَدَمِ التَّلَاقِي، وَمِنْ ثَمَّ احْتِيجَ إِلَى التَّأْرِيخِ. وَالثَّانِي: الْمُدَلَّسُ، وَيَرِدُ بِصِيغَةٍ تَحْتَمِلُ اللُّقِيَّ: كَعَنْ، وَقَالَ، وَكَذَا الْمُرْسَلُ الْخَفِيُّ مِنْ مُعَاصِرٍ لَمْ يَلْقَ.

ترجمہ: پھر کبھی اسناد میں سقط واضح ہوتا ہے یا خفی ہوتا ہے۔ قسمِ اول کو عدمِ لقاء (راوی و شیخ کی ملاقات نہ ہونے) سے معلوم کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے تاریخ کی ضرورت پڑتی ہے۔ قسمِ ثانی ”حدیثِ مُدلَّس“ ہے اور یہ (مدلَّس) ایسے لفظ سے آتی ہے جو لقاء کا احتمال رکھتا ہو جیسے لفظِ عَنْ اور لفظِ قَالَ۔

اور اسی طرح (یعنی مردود ہونے میں مدلَّس کی طرح) ”حدیث مرسَلِ خفی“ ہے جب وہ کسی ایسے ہم عصر راوی سے صادر ہو جس نے (اپنے مروی عنہ شیخ سے) ملاقات نہ کی ہو (بلکہ اِس راوی اور اُس مروی عنہ کے درمیان واسطہ ہو)۔

تشریح:

یہاں سے مصنفؒ مرسَلِ ظاہر، مدلَّس اور مرسَلِ خفی کو بیان کر رہے ہیں۔

مرسَلِ ظاہر:

مرسَلِ ظاہر وہ روایت ہے ”جس کی سند میں سقوط واضح ہو“ سقوطِ واضح کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں راویوں کا زمانہ الگ الگ ہے۔ اس بات کا علم کہ دونوں کا زمانہ الگ ہے، اس طرح ہوا کہ مثلاً پہلے کی تاریخ پیدائش اور دوسرے کی تاریخ وفات ہم نے دیکھی، تو پہلے راوی کی جو تاریخ پیدائش ہے، اس وقت دوسرا راوی فوت ہو چکا تھا۔ اس سے فوراً پتہ چل گیا کہ درمیان میں کوئی راوی ساقط ہے اور اس حدیث کو جس کا سقوط

واضح ہو "مرسَلِ ظاہر" کہتے ہیں۔ اس مرسل کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو حدیث مرسَل اُوپر مذکور ہے۔ بلکہ یہاں "ارسال" سے مطلق "انقطاع" مراد ہے خواہ بصورتِ معلق ہو یا معضل یا منقطع؛ اور مرسَل اپنے اس معنی میں صحاح ستہ کے اندر بہت استعمال ہوا ہے۔

مدلَّس:

مُدلَّس وہ روایت ہے "جس کی سند میں سقوطِ خفی ہو"۔ سقوطِ خفی کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کو بیان کرنے والا، سند کے درمیان میں راوی کو اس طرح ساقط کرتا ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ درمیان میں راوی ساقط ہوا ہے مثلاً ایک راوی کے زمانہ میں دو شیخ ہیں، اس نے ایک شیخ سے سماعت کی، دوسرے سے سماعت نہیں کی، صرف ملاقات کی ہے۔ اب یہ راوی سند بیان کرتے وقت اس شیخ کا نام ذکر کرتا ہے، جس سے اس راوی نے سماع نہیں کیا تھا، بلکہ صرف ملاقات کی تھی، لیکن یہ راوی اور وہ شیخ ہم عصر ہیں، اس لئے سقوط پر مطلع ہونا مشکل ہے، تو ایسی حدیث کو "مُدلَّس" کہتے ہیں اس عمل کو "تدلیس" کہتے ہیں اور ایسے راوی کو "مُدلِّس" کہتے ہیں۔ یہ راوی ایسے صیغہ سے روایت کرتا ہے جو سماع کا احتمال رکھتا ہے اور عدمِ سماع کا بھی۔ مثلاً قال فلانٌ، عن فلانٍ وغیرہ۔

تدلیس کی غرض:

مُدلِّس دو وجہوں سے تدلیس کرتا ہے:

(۱) ایک غرض یہ ہے کہ راوی نے جس سے سماع کیا ہوتا ہے، وہ اتنا ثقہ نہیں ہوتا، جتنا وہ راوی ثقہ ہوتا ہے جس سے اس نے سماع نہیں کیا، لہٰذا وہ اپنی حدیث کی سند میں ثقہ راوی لے کر آتا ہے تا کہ اس کی حدیث قوی ہو جائے اور لوگ اس کی حدیث کو لیں اور اس پر اعتماد کریں، یہ غرض فاسد ہے۔

(۲) دوسری غرض یہ ہوتی ہے کہ راوی تو سارے ثقہ ہوتے ہیں، مگر صرف اختصار کے لئے کسی راوی کو ساقط کر دیتا ہے، یہ کرنا درست ہے۔

مذہبِ احناف:

حدیثِ مدلَّس کو یہاں حافظ ابن حجر شافعیؒ نے اگرچہ حدیثِ مردود کی اقسام میں ذکر کیا ہے مگر واضح رہے کہ عندالاحناف: تدلیس کرنا نہ سببِ رد ہے اور نہ ہی مدلِّس کے حق میں یہ جرح ہے، چنانچہ احناف کے نزدیک حدیث مرسَل اور حدیث مدلَّس کا حکم (بغیر کسی فرق کے) بالکل ایک جیسا ہے۔

مرسَلِ خفی:

مرسل خفی وہ روایت ہے جس میں مدلَّس کی طرح انقطاع واضح نہ ہو، اور اس کا بیان کرنے والا اپنے شیخ کا واسطہ چھوڑ کر ایسے ہم عصر شیخ سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہو، اور یہ بھی مدلِّس کی طرح عن فلان یا قال فلان وغیرہ مُوہِمِ سماع (یعنی سماع کا وہم ڈالنے والے صیغے) سے روایت کرے، تو اس روایت کو ”مرسل خفی“ کہتے ہیں۔

مُدلَّس اور مرسَل خفی کے درمیان فرق:

مدلَّس اور مرسل خفی کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے:

حدیث مدلَّس میں راوی جس شیخ سے روایت کرتا ہے، راوی کی اس شیخ سے ملاقات تو ثابت ہوتی ہے لیکن سماع ثابت نہیں ہوتا، جبکہ مرسل خفی میں وہ راوی اس شیخ کا ہم عصر تو ہوتا ہے مگر ملاقات اور سماع دونوں ثابت نہیں ہوتے۔ (نزھہ)

ثُمَّ الطَّعْنُ: إِمَّا أَنْ يَكُونَ:

1-لِكَذِبِ الرَّاوِي.2-أَوْ تُهْمَتِهِ بِذٰلِكَ.3-أَوْ فُحْشِ غَلَطِهِ.4-أَوْ غَفْلَتِهِ.5-أَوْ فِسْقِهِ.6-أَوْ وَهْمِهِ.7-أَوْ مُخَالَفَتِهِ.8-أَوْ جَهَالَتِهِ.9-أَوْ بِدْعَتِهِ.10-أَوْ سُوءِ حِفْظِهِ.

فَالْأَوَّلُ: الْمَوْضُوعُ. وَالثَّانِي: الْمَتْرُوكُ. وَالثَّالِثُ: الْمُنْكَرُ، عَلَى رَأْيٍ. وَكَذَا الرَّابِعُ وَالْخَامِسُ. ثُمَّ الْوَهْمُ: إِنِ اطُّلِعَ عَلَيْهِ بِالْقَرَائِنِ وَجَمْعِ الطُّرُقِ: فَالْمُعَلَّلُ.

ترجمہ: پھر ـــ”طعن ـــ“ ہوگا:

یا راوی کے (روایتِ حدیث میں) جھوٹ بولنے کی وجہ سے، یا راوی کے جھوٹ کے ساتھ متہم ہونے کی وجہ سے، یا (روایتِ حدیث میں) اُس کے بہت زیادہ غلطی کرنے کی وجہ سے، یا (حفظِ حدیث میں) اس کی بہت زیادہ غفلت کی وجہ سے، یا اس کے فسق وفجور (کے ظہور) کی وجہ سے، یا اس کے (روایت بیان کرنے میں) وہم ہونے کی وجہ سے، یا اس کے (اپنے سے اوثق راویوں کی) مخالفت کرنے کی وجہ سے، یا اس کی (حالتِ جرح وتعدیل کی) جہالت کی وجہ سے، یا اس کی بدعت کی وجہ سے، یا اس کے سُوءِ حفظ (یعنی حافظہ کی خرابی) کی وجہ سے۔

چناں چہ قسم اول: ـــ”حدیثِ موضوع ـــ“ ہے، دوم: ـــ”متروک ـــ“ سوم: (بعض محدثین کی) رائے کے مطابق ـــ”مُنکَر ـــ“ ہے اور (اس رائے کے مطابق) چہارم وپنجم بھی اسی طرح (ـــ”مُنکَر ـــ“) ہے۔ پھر وہم: اگر اس کا قرائن وتمام سندیں جمع کرنے سے پتہ چل جائے تو وہ ـــ”معلّل ـــ“ ہے۔

تشریح:

حدیثِ مردود بسببِ طعن:

طعن (یعنی راوی پر جرح) کی وجہ سے حدیث مردود ہو جاتی ہے۔ دس اسباب ہیں جن کی وجہ سے راوی پر طعن ہوتا ہے، اس حدیث کی سند تو پوری ہوتی ہے لیکن جب راویوں پر بحث ہوتی ہے تو ان دس اسباب میں سے کوئی سبب کسی راوی میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے حدیث مردود ہو جاتی ہے۔

(الف) ان دس اسباب میں سے پانچ اسباب کا تعلق ”عدالت راوی“ سے ہے۔

(۱) کذب **(۲)** تہمت کذب **(۳)** فسق
(۴) جہالت **(۵)** بدعت

(ب) اور پانچ اسباب کا تعلق ”ضبط اور اتقان“ کے ساتھ ہے۔

(۱) فحش غلط **(۲)** کثرتِ غفلت **(۳)** وہم
(۴) مخالفت ثقات **(۵)** سوءِ حفظ

مصنفؒ نے دوسری ترتیب سے بیان کئے ہیں، انہوں نے سب سے پہلے وہ سبب بیان کیا جس میں طعن سب سے زیادہ ہے، پھر اس سے کم درجہ والا، آخر تک اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کی ترتیب یہ ہے۔

(۱) کذب **(۲)** تہمت کذب **(۳)** فحش غلط
(۴) کثرت غفلت **(۵)** فسق **(۶)** وہم
(۷) مخالفت **(۸)** جہالت **(۹)** بدعت **(۱۰)** سوءِ حفظ

۱۔ کذب:

راوی کے کذب کا یہ مطلب ہے کہ وہ راوی حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولتا ہو، جب کوئی کاذب راوی کسی حدیث کی سند میں آجائے تو وہ حدیث ''موضوع'' ہوتی ہے(۱)

---

(۱) مثلاً ایک حدیث میں آٹھ راوی ہیں۔ صحابی والے راوی کو چھوڑ کر باقی سات راوی بچ گئے۔ اب ان سات راویوں کے حالات دیکھیں گے، ان کے لئے کئی کتابیں ہیں: مثلاً تقریب التہذیب، الکاشف، لسان المیزان، الکامل وغیرہ۔ اور اگر ان سات راویوں میں سے ایک راوی بھی کاذب نکل آیا تو ہم اس کے نیچے لکھ دیں گے کہ ''اسنادہ موضوع'' یعنی اس کی سند موضوع ہے البتہ حدیث کو موضوع اس وقت کہیں گے جب اس حدیث کی ساری سندیں دیکھ لیں، اور ہر سند میں کاذب راوی ہے تو وہ حدیث موضوع ہوگی۔

فائدہ: حدیث موضوع کو پہچاننے کے طریقے:

(الف) حدیث موضوع کو معلوم کرنے کے لئے خاص ان موضوع احادیث پر مشتمل مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، جیسے

۱۔ ملا علی قاری کی ''الموضوعات الصغریٰ'' جو'' المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع'' کے نام سے معروف ہے۔

۲۔ انہی ملا علی قاری کی ''الموضوعات الکبریٰ''۔

۳۔ سیوطی کی ''اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ''

۴۔ ابن عَرّاق کِنانی کی ''تنزیہ الشریعۃ''۔

۵۔ ابوالفضل مقدسی کی ''تذکرۃ الموضوعات''۔

۶۔ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کی ''الاحادیث المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ'' وغیرہ وغیرہ

ان میں سے کوئی ایک کتاب لے کر اپنے پاس ضرور رکھ لینی چاہیے۔ تاہم ان میں سے ملا علی قاری کی ''الموضوعات الکبریٰ'' اور عبدالحیؒ لکھنوی کی ''الاحادیث المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ'' مفید رہیں گی۔

(ب) ان کتب کے علاوہ خود حدیثِ موضوع میں بعض ایسے قرائن ہوتے ہیں جن سے حدیث کا موضوع ہونا پہچانا جاتا ہے، جیسے:

(۱) راوی کسی خاص عقیدہ ومذہب سے تعلق رکھنے والا ہو اور اس کی روایت کردہ حدیث اسی عقیدہ کی تائید سے متعلق ہو، مثلاً راوی رافضی ہو اور اس کی مروی حدیث کا تعلق فضائل اہلِ بیت سے ہو۔

(۲) روایت کے الفاظ اور ان کی نحوی ترکیب نہایت رکیک وکمزور ہو کہ وہ ایک فصیح عربی دان سے صادر نہ ہو سکتی ہو۔

(۳) الفاظ میں بے جا وتکلفانہ سجع بندی ہو۔

(۴) اس حدیث کا معنی ومضمون قرآن، سنتِ متواترہ، اجماعِ قطعی یا مشہور تاریخی واقعات کے اس طرح خلاف ہو کہ اس کی کوئی مناسب تاویل وتوجیہ نہ ہو سکے۔

(۵) اس کا مضمون بدیہی طور پر عقل کے خلاف ہو جیسے جمع بین الضدین اور نفیٔ صانع وغیرہ کے متعلق حدیث۔

(۶) معمولی سی چیز پر سخت دھمکی یا معمولی سے فعل پر لمبے چوڑے وعدے (اسی کے ضمن میں بعض چھوٹی اور مخصوص سورِ قرآنیہ کی تلاوت پر عظیم وکبیر، اجر ووعدوں پر مشتمل بعض احادیث کا تذکرہ بھی آتا ہے۔)

بہر حال آخر میں دردمندانہ گزارش ہے کہ حدیث کے بیان کرنے میں انتہائی انتہائی احتیاط برتی جائے کیونکہ حدیثِ موضوع کا بیان کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ بہت سی احادیث احقر کے تجربہ میں اس وقت زبانوں پر مشہور ہیں حالانکہ وہ بے اصل اور موضوع ہیں۔

۲۔ تہمتِ کذب:

حدیثِ رسول میں راوی نے جھوٹ نہیں بولا، لیکن دوسرے معاملات میں جھوٹ بولتا ہے۔ جب دوسرے معاملات میں جھوٹ بولتا ہے تو حدیث میں اس کے جھوٹ بولنے کا احتمال ہے، ایسے راوی کو اور اس کی حدیث کو بھی ''متروک'' کہتے ہیں۔ اور اس راوی کی روایت ''شدید ضعیف'' ہوتی ہے۔

۳۔ فحش غلط:

وہ راوی جو حدیث بیان کرنے میں اکثر غلطی کر جاتا ہو، عمداً نہیں کرتا بلکہ حافظہ اسی طرح ہے۔ ایسے راوی کی حدیث کو ''منکر'' کہتے ہیں۔ یہ بعض محدثین کی رائے کے مطابق ہے، جبکہ دوسرے بعض نے کہا ہے کہ منکر وہ حدیث ہے جس کا راوی ضعیف ہو اور ثقہ کی مخالفت کر رہا ہو۔

۴۔ غفلت:

وہ راوی جس کے ضبط و اتقان میں بہت غفلت پائی جاتی ہو، اسی رائے کے موافق ایسے راوی کی حدیث کو ''منکر'' کہتے ہیں۔

۵۔ فسق:

وہ راوی جو کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو، مثلاً غیبت کرنا، نماز چھوڑ دینا، قطع رحمی کرنا وغیرہ، ایسے راوی کی حدیث کو بھی اسی رائے کے موافق ''منکر'' کہتے ہیں۔

المنکر علی رأی وکذا الرابع والخامس اھ عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ جس راوی کی غلطیاں زیادہ ہوں یا اس کے ضبط و اتقان میں غفلت زیادہ ہو یا اس سے فسق و فجور

کا ظہور ہوا ہو تو اس راوی کی حدیث کو بھی بعض محدثین کی رائے و مذہب کے موافق "منکر" کہا جاتا ہے۔ لیکن جو محدثین حدیث کو "منکر" کہنے کے لیے مخالفت کی قید لگاتے ہیں (کہ اس حدیث کا راوی ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث میں ثقہ راوی کی مخالفت بھی کر رہا ہو) ان کے نزدیک محض اس طعن (یعنی فحش غلط یا فحش غفلت یا ظہور فسق) کی وجہ سے اس حدیث کو منکر نہیں کہا جائے گا جب تک مخالفتِ مذکورہ نہ پائی جائے، جبکہ مخالفت کی شرط نہ لگانے والے محدثین اِس کو بھی "منکر" کا نام دے دیتے ہیں، جس طرح اُس مخالفت والی کو بھی "منکر" کہتے ہیں۔

۶۔ وھم:

یہ جرح کے اسباب میں سے چھٹا سبب ہے۔ وہم یا تو سند میں ہوگا یا الفاظِ حدیث میں ہوگا۔ وہم کا مطلب یہ ہے کہ حدیث ہوتی کسی اور طرح ہے اور راوی بیان کرتا کسی اور طرح ہے، اسی طرح سند میں وہم کرتا ہے، ایسے راوی کی حدیث کو "معلل" کہتے ہیں۔

ہمیں کیسے اندازہ ہوگا کہ راوی کو وہم ہوا ہے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرائن سے معلوم ہوگا کہ راوی کو وہم ہوا ہے، مثلاً خبرِ مرسَل یا منقطع کو متصل کر کے بیان کرنا، حدیثِ مرفوع کو موقوف بیان کرنا، یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دینا وغیرہ۔ نیز اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کرنے اور ان اسانید کے رجال مع اختلافاتِ متون میں گہری نظر و فکر کرنے سے اس وہم کا علم ہوگا۔

مثلاً: ایک سند میں راوی کا نام "عمرو بن دینار" ہے۔ جب اسی حدیث کی دوسری

سندیں دیکھیں، تو ان سب سندوں میں نام ”عبداللہ بن دینار“ تھا(۱)۔ جب ایک دفعہ معلوم ہو گیا کہ اس راوی کو وہم ہوتا ہے تو اس راوی کے بارے میں لکھ دیتے ہیں کہ اسے وہم ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد اگر وہی راوی کوئی صحیح حدیث بھی بیان کرے تو پھر بھی وہ حدیث معلل ہوگی(۲)۔ کیونکہ اصولِ حدیث میں اقل، اکثر پر غالب ہوتا ہے، جیسے کسی راوی کا وضّاع ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اگر وہی راوی صحیح حدیث بھی بیان کرے تو بھی اس کی سند والی حدیث ”موضوع“ کہلائے گی۔

انتباہ: حدیثِ معلل، علومِ حدیث کی سبب سے مشکل و دقیق قسم ہے۔ اس کی پہچان صرف ماہر و بارع محدث ہی کر سکتا ہے، جس کی احادیث کے اختلافاتِ متون، رجالِ اسانید اور احوالِ رواۃ وغیرہ پر مکمل و عمیق نظر ہو۔

ثُمَّ الْمُخَالَفَةُ: إِنْ كَانَتْ بِتَغْيِيرِ السِّيَاقِ: فَمُدْرَجُ الإِسْنَادِ. أَوْ بِدَمْجِ مَوْقُوفٍ بِمَرْفُوعٍ: فَمُدْرَجُ الْمَتْنِ. أَوْ بِتَقْدِيمٍ أَوْ تَأْخِيرٍ: فَالْمَقْلُوبُ. أَوْ بِزِيَادَةِ رَاوٍ: فَالْمَزِيدُ فِى مُتَّصِلِ الأَسَانِيدِ. أَوْ بِإِبْدَالِهِ وَلا مُرَجِّحَ: فَالْمُضْطَرِبُ، ـــ وَقَدْ يَقَعُ الإِبْدَالُ عَمْداً امْتِحَاناً ـــ

أَوْ بِتَغْيِيرِ حَرْفٍ، أَوْ حُرُوفٍ مَعَ بَقَاءِ السِّيَاقِ: فَالْمُصَحَّفُ وَالْمُحَرَّفُ.

ترجمہ: پھر ـــ”مخالفت ـــ“: اگر سیاقِ سند بدل جانے کی وجہ سے ہو تو وہ ـــ”مُدرَج الاسناد ـــ“ ہے، یا حدیثِ موقوف کو حدیثِ مرفوع میں داخل کر دینے کی وجہ سے ہو تو وہ ـــ”مدرَج

---

(۱) یعلیٰ بن عبید نے سفیان ثوری سے بواسطہ عمرو بن دینار عن ابن عمر روایت کی: ”البیّعان بالخیار“ اس میں یعلیٰ نے ـــ”عبداللہ بن دینار ـــ“ کی جگہ ـــ”عمرو بن دینار ـــ“ کا نام لیا ہے، یہ یعلیٰ کو وہم ہوا ہے۔ (تیسر)

(۲) یعنی اس کی سند معلل ہوگی۔

المتن ـــ“ ہے، یا تقدیم وتاخیر کی وجہ سے ہو تو وہ ـــ ”مقلوب ـــ“ ہے، یا (دورانِ سند) کسی راوی کا اضافہ کردینے کی وجہ سے ہو تو وہ ـــ ”مزید فی متصل الاسانید ـــ“ ہے، یا راوی کے (اپنے شیخ یا بعضِ متن کو) بدل دینے کی وجہ سے ہو اور وہاں مرجِّح (یعنی وجہِ ترجیح) بھی کوئی نہ ہو تو وہ ـــ ”مُضطرِب ـــ“ ہے۔ اور یہ (شیخ یا بعضِ متن کو) بدل دینا کبھی امتحان کی غرض سے عمداً ہوتا ہے ـــ یا (یہ مخالفت) سیاقِ لفظ کے باقی رہتے ہوئے، حروف کی تبدیلی کی وجہ سے ہو تو وہ ـــ ”مُصحَّف ـــ“ اور ـــ ”محرَّف ـــ“ ہے۔

تشریح:

۷۔ مخالفت:

راوی پر طعن کا ساتواں سبب، ثقہ راویوں کی مخالفت کرنا ہے۔

پھر اس کی مختلف قسمیں ہیں:

(الف) مُدرَج:

مدرج کہتے ہیں ”کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ ملا دینا / اس میں داخل کردینا“۔ اس کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً ان میں سے ایک یہ سمجھ لیں کہ سند کہیں اور سے، اور متن کہیں اور سے؛ پھر ان دونوں کو آپس میں ملا دیا۔

اس طرح متنِ حدیث میں کوئی لفظ داخل کردے، لیکن یہ لفظ حدیث گھڑنے کے لئے داخل نہیں کرے گا، بلکہ وہ راوی اس لفظ کو ترغیبی یا تشریحی وغیرہ غرض سے داخل کرے گا۔

مدرج کی دو قسمیں ہیں: (۱) مدرج الاسناد۔ (۲) مدرج المتن

۱۔ مدرج الاسناد:

مدرج الاسناد یہ ہے کہ ''راوی سیاقِ سند میں کوئی تبدیلی کردے''، اس کی کئی صورتیں ہیں، جن میں سے بطورِ مثال ایک یہ ہے کہ سند کو اُٹھا کر غیرِ متن کے ساتھ ملا دیا، ایسی حدیث کو ''مدرج الاسناد'' کہتے ہیں۔

۲۔ مدرج المتن:

مدرج المتن یہ ہے کہ راوی، صحابی یا غیر صحابی کے قول کو حدیث میں داخل کردے، یا تابعی کے قول کو صحابی کے قول میں داخل کردے، تو ایسی حدیث کو مدرج المتن کہتے ہیں۔ جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیثیں بیان کر رہے تھے تو فرمایا: آَسبِغُوا الوضوءَ، ویلٌ لِلأعقاب مِن النّارِ (وضو پورا کیا کرو، ایڑیوں کے لئے جہنم کی تباہی و بربادی ہے)۔ راوی نے یہ سمجھا کہ یہ ساری حدیث ہے، حالانکہ ''اسبغوا الوضوء'' یہ بطور ترغیب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، راوی نے حدیث سمجھ کر یوں بیان کیا: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَسْبِغُوا الوضوء، ویلٌ لِلأعقَاب من النّارِ''۔ اس حدیث کو اسی طرح روایت کردیا گیا، پھر محققین ومحدثین نے دوسری حدیثوں کو دیکھ کر یہ جملہ حدیث سے نکال دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کو پھر اس طرح بیان کیا: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قال آسبغوا الوضوء، قَالَ اَبو القاسم صَلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَیْلٌ للأعقَاب من النّار (تیسیر وغیرہ)

اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ''کان النبیؐ یتحنّث فی غار حِراء وهو التعبّد اللیالی ذوات العَدَد'' اس میں ''وهو التعبد'' امام زہریؒ کا قول ہے، اور انہوں نے دورانِ روایت لفظِ ''یتحنّث'' کی تشریح کی، لیکن راوی نے

یہ سارا جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد سمجھا۔ اس میں تابعی کے قول کو صحابی کے قول کیساتھ ملا دیا ہے۔

(ب) مقلوب:

متنِ حدیث یا سندِ حدیث میں تقدیم و تاخیر کو "مقلوب" کہتے ہیں۔ ثقہ راوی ایک حدیث بیان کرتا ہے، اور یہ مخالفت کرنے والا راوی اسی حدیث کو اور طرح بیان کرتا ہے، لفظ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم بیان کرتا ہے۔

مقلوب کی دو قسمیں ہیں: (۱) مقلوب السند (۲) مقلوب المتن

۱۔ مقلوب السند:

اگر سند میں تقدیم و تاخیر ہے تو اسے "مقلوب السند" کہیں گے، جیسے کعب بن مرہ کو مرّہ بن کعب کہہ دیا۔ یہ حدیث مردود ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ "کعب بن مرّہ" ضعیف ہو اور "مرّہ بن کعب" سند کا راوی ثقہ ہو۔

۲۔ مقلوب المتن:

مقلوب المتن کا مطلب یہ ہے کہ الفاظِ حدیث میں راوی تقدیم و تاخیر کر دے۔ جیسے حدیث میں ہے: جس کا مفہوم یہ ہے کہ "سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب کریں گے، ان میں سے ایک وہ آدمی بھی ہے جو ایسے مخفی طور پر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا"۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں: "رجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لاتعلم شماله ماتنفق يمينه"۔ اسی حدیث کو یوں بیان کر دیا: "حتى لاتعلم يمينه ماتنفق شمالُه

اس حدیث کو "مقلوب المتن" کہتے ہیں۔

(ج) مزید فی متصل الاسانید:

"حدیث متصل السند تھی، پھر مزید اس کی سند میں کسی راوی کا اضافہ کر دیا گیا ہو"۔

جیسے: "حدثنا سفیان عن عبدالرحمن بن یزید حدثنی بسر بن عبید الله قال سمعت ابا ادریس قال سمعت واثله یقول: لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا"۔

اس حدیث کی سند میں دو جگہ زیادتی ہے: (الف) سفیان کی (ب) ابو ادریس کی۔ یہ زیادتی محض وہم کی وجہ سے ہے۔

(د) مضطرِب:

ـــ "مضطرِب" ـــ را کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی یا الفاظِ متن میں تغیر و تبدل ہو، اور ترجیح و تطبیق کا کوئی پہلو نہ ہو۔

اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) اضطراب فی السند (۲) اضطراب فی المتن

(۱) اضطراب فی السند:

اضطراب فی السند یہ ہے کہ حدیث کے راوی میں تغیر و تبدل ہو، جیسے ایک حدیث ہے، "اذا صلی احدکم فلیجعل شیئا تلقاء وجهه فاذا لم یجد عصاً ینصبها بین یدیه فلیخط خطًا"۔

اس حدیث کی اسناد درج ذیل ہے: (۱) اسماعیل بن امیه عن ابی عمرو (۲) اسماعیل بن علیة عن ابی محمد (۳) اسماعیل عن عمرو بن محمد

اس حدیث کی ہر ایک سند میں راوی کا نام مختلف ہے: ایک سند میں ''اسماعیل بن امیہ'' ایک میں ''اسماعیل بن علیہ'' اور ایک میں ''اسماعیل'' ہے، اور وجہ ترجیح بھی نہیں ہے۔ ایسی حدیث کو ''مضطرب'' کہتے ہیں۔

۲۔ اضطراب فی المتن:

اضطراب فی المتن یہ ہے کہ الفاظِ حدیث میں اضطراب ہو، جیسے ایک حدیث میں ہے، ''اِذَا کَانَ الماءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلِ الخبثَ'' اور دوسری روایت میں ''قلتین او ثلاثاً'' ہے اور بعض میں ''اربعین قلۃ'' مذکور ہے۔ امام زیلعی نے نصب الرایہ میں اس اضطراب کو سنداً و متناً ہر دو اعتبار سے مفصل بیان کیا ہے۔

بہر حال اب ان حدیثوں میں اضطراب ہے، کوئی وجہ ترجیح بھی نہیں ہے کہ کس پر عمل کریں، اس لئے ہم نے ان حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔

استطراد: کبھی کبھی یہ اِبدال جان بوجھ کر امتحان کے لئے کرتے ہیں اور امتحان کے لئے بدلنا جائز ہے، بشرطیکہ اسی مجلس میں بتادیا جائے کہ میں نے ابدال کیا تھا(۱)

(ر) مصحّف ومحرّف:

کبھی کبھی حدیث کے متن اور سند کو باقی رکھا جاتا ہے، لیکن سند میں یا متن میں کوئی ایک حرف یا کسی حرف کے نقطے بدل جاتے ہیں۔ اگر نقطے بدلیں تو ایسی حدیث کو ''مصحف'' کہتے ہیں، جیسے راوی کا سند میں ''مراجم'' کو ''مزاحم'' بیان کر دینا۔ اور اگر حرف بدل دے، تو اسے ''محرّف'' کہتے ہیں۔ جیسے راوی کا نام ''احول'' تھا، اُسے

---

(۱) جیسے امام بخاریؒ سے بغداد کے علماء نے امتحان کی غرض سے (۱۰۰) حدیثیں بدل کر پوچھیں، پھر امام بخاری نے ان سب کو درست کر کے صحیح صحیح جواب دے دیا۔ اس قسم کا ایک واقعہ امام عقیلیؒ کے ساتھ پیش آیا۔

"احدب" کہہ دیا، اسی طرح حدیث میں ہے "من صام ستًّا من شوال کان کصیام الدھر" لفظ "ستًّا" کی جگہ "شیئاً" کہہ دیا۔

تنبیہ: جمہور علماء کے نزدیک مصحّف ومحرّف علیحدہ علیحدہ دو قسمیں نہیں، بلکہ ان کے نزدیک دونوں ایک ہی قسم ہیں(۱)۔ (علوم الحدیث)

وَلَا يَجُوزُ تَعَمُّدُ تَغْيِيرِ الْمَتْنِ بِالنَّقْصِ وَالْمُرَادِفِ إِلَّا لِعَالِمٍ بِمَا يُحِيلُ الْمَعَانِيَ.

فَإِنْ خَفِيَ الْمَعْنَى احْتِيجَ إِلَى شَرْحِ الْغَرِيبِ وَبَيَانِ الْمُشْكِلِ.

ترجمہ: اور متنِ حدیث کو جان بوجھ کر بدلنا جائز نہیں ہے (نہ ہی) کوئی لفظ کم کرنے کے ذریعہ اور (نہ ہی) کوئی مترادف لفظ لانے کے ذریعہ اس شخص کیلئے جو اُن امور کو جانتا ہو جو معانی کو بدل دیتے ہیں۔ پھر اگر کسی لفظ کے معنیٰ مخفی (وغیر معلوم) ہوں تو اُس "غریب (یعنی نامانوس)" لفظ کی تشریح کی ضرورت پیش آتی ہے نیز مشکل المراد احادیث کی توضیح (اور توجیہ) کی حاجت بھی درپیش ہوتی ہے۔

تشریح:

یہاں سے مصنّفؒ یہ بتا رہے ہیں کہ الفاظِ حدیث کو جان بوجھ کر بدلنا: الفاظ کی کمی کر کے یا حدیث میں جو الفاظ ہیں ان کے ہم معنیٰ الفاظ لا کر، بہرصورت یہ تبدیلی جائز نہیں، مگر اُس مُحدِّث کے لئے گنجائش ہے جو اس چیز کو جانتا ہو جو معنیٰ کو بدل دیتی ہے۔

---

(۱) مصحف اور محرف دونوں کے ایک ہی قسم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب نقطہ بدلا، تو یہ صرف نقطہ نہیں بدلا بلکہ لفظ بھی بدل گیا ہے، جیسے مراجم سے مزاحم، اب اس میں صرف رَاء، کا نقطہ نہیں بدلا بلکہ نقطہ بدلنے سے راء، زاء بن گئی، اسی طرح زاء، راء بن گئی۔ لہٰذا مصحّف اور محرّف دونوں ایک ہی قسم ہیں۔

حدیث روایت کرنے کی ایک قسم ’’روایت بالمعنیٰ‘‘ ہے۔ اسی طرح ’’روایت باللفظ‘‘ بھی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی ہے، اسے لفظ بلفظ نقل کرنا۔

اور ’’روایت بالمعنیٰ‘‘ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی اس کا وہی معنیٰ بیان کرنا، کسی قدر الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ۔ ’’روایت بالمعنیٰ‘‘ اُس محدث کے لئے جائز ہے جو اس چیز کو جانتا ہو جو معانی کو بدل دے، لیکن یہ اس وقت جائز ہے جب حدیث کی مراد و منشا نہ بدلے۔ اگر روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے حدیث کی مراد و منشا تبدیل ہو گیا تو یہ بالکل ناجائز ہے۔

’’فان خفی المعنیٰ احتیج ...الخ‘‘ یہ جملہ معترضہ لے آئے ہیں۔ یہاں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حدیث میں کبھی کوئی مشکل، اجنبی اور نامونوس لفظ آجاتا ہے، اس لفظ کا معنیٰ معلوم نہیں ہوتا، تو اس غریب لفظ کا معنیٰ دیکھنے کے لئے ایک فن کے محتاج ہوں گے۔ وہ فن ’’شرح الغریب‘‘ ہے۔ اس فن پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً ’’النہایہ فی غریب الحدیث والاثر‘‘، ’’غریب الحدیث‘‘ وغیرہ۔ یہ غریب الحدیث ایک ابنِ سلّام کی ہے اور ایک ابنِ جوزی کی ہے، اس فن میں جو جامع کتاب ہے وہ ہے ’’مجمع بحار الانوار فی غریب الحدیث والآثار‘‘۔ اس کے مصنف علامہ محمد بن طاہر ایک ہندوستانی عالم ہیں۔

اور اگر نفسِ معنیٰ تو مخفی نہیں مگر اس کی مراد دقیق ہے اور حدیث کے مفہوم و منشا تک پہنچنا مشکل ہو رہا ہے، کہ ایک حدیث کا مطلب کچھ ہے اور دوسری حدیث کا مطلب بظاہر اس کے مخالف ہے، جس سے اس کی صحیح مراد متعین نہیں ہو رہی۔ ایسی احادیث کی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور ان کی معقول و مشروع توجیہ کرنی پڑتی ہے،

تا کہ ظاہر صورت میں نظر آنے والا اشکال رفع ہو جائے، اور حدیث کی صحیح مراد بھی معلوم ہو جائے، چنانچہ اس کے لئے ہم جس علم کے محتاج ہوں گے وہ "بیان المشکل" ہے، جس میں وہ حدیثیں موضوعِ کلام ہوتی ہیں جو مشکل المراد ہیں اور بادی النظر میں اشکال میں ڈالتی ہیں۔ ایسی حدیث کو "مشکل الحدیث" یا ان کو "مشکل الآثار" کہتے ہیں، اس فن پر امام طحاویؒ کی کتاب "بیان مشکل الآثار" بہت مشہور و مفید ہے۔

ثُمَّ الْجَهَالَةُ: وَسَبَبُهَا أَنَّ الرَّاوِيَ قَدْ تَكْثُرُ نعُوتُهُ فَيُذْكَرُ بِغَيْرِ مَا اشْتَهَرَ بِهِ لِغَرَضٍ، وَصَنَّفُوا فِيهِ الْمُوْضِحَ.

وقَدْ يَكُونُ مُقِلاًّ فَلَا يَكْثُرُ الْأَخْذُ عَنْهُ، وَصَنَّفُوا فِيهِ الوُحْدَانَ.

أَوْلَا يُسَمَّى اخْتِصَاراً، وفِيهِ الْمُبْهَمَاتُ.

وَلا يُقْبَلُ الْمُبْهَمُ، وَلَوْ أُبْهِمَ بِلَفْظِ التَّعْدِيلِ، عَلَى الْأَصَحِّ.

فَإِنْ سُمِّيَ وَانْفَرَدَ وَاحِدٌ عَنْهُ فَمَجْهُولُ الْعَيْنِ، أَو اثنَانِ فَصَاعِداً وَلَمْ يُوَثَّقْ فَمَجْهُولُ الْحَالِ، وهُوَ الْمَسْتُورُ.

ترجمہ: پھر "جہالتِ راوی" کا سبب یہ ہے کہ کبھی راوی کی ذات پر دلالت کرنے والے امور و اوصاف بہت ہوتے ہیں چناں چہ کسی غرض کی بناء پر (سند میں) اُس راوی کو اس کے غیر مشہور وصف کے ذریعہ ذکر کیا جاتا ہے (جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی اور راوی ہے)۔ اس نوع کے بیان میں محدثین نے مُوضِحات (یعنی وہ کتابیں جو ان اوہام کی وضاحت کرنے والی ہیں) لکھی ہیں۔

اور راوی کبھی (نام مذکور ہونے کے باوجود) قلیل الحدیث ہوتا ہے چناں چہ اس سے

روایت لینے کا عمل کثیر نہیں ہوتا۔ اور محدثین نے ان راویوں کے بارے میں وُحدان (یعنی وہ کتابیں جن میں اِن قلیل الحدیث رُوات کا تذکرہ ہے) لکھی ہیں۔ یا اختصار کی غرض سے راوی کا نام ذکر نہیں کیا جاتا (یعنی کبھی شیخ "راوی" کا نام ذکر نہیں کیا جاتا اس وجہ سے کہ اُس سے روایت لینے والے شاگرد "راوی" کی طرف سے اختصار پایا جاتا ہے بایں طور کہ وہ اپنے شیخ کا نام حذف کر کے کہتا ہے کہ أخبرنی فلانٌ، أو شیخٌ۔ اِن (محذوف الاسم یعنی مبہم راویوں) کے بارے میں (لکھی جانے والی کتابیں) مُبہَمات ہیں۔ اور مبہم راوی (کی حدیث کو) قبول نہیں کیا جاتا اگرچہ وہ راوی تعدیل والے لفظ کے ذریعہ مبہم کیا گیا ہو اصح قول کے مطابق۔

پھر اگر راوی کا نام ذکر کیا گیا ہو اور ایک ہی راوی اس سے روایت کرنے میں منفرد (تنہا) ہو (یعنی اس مذکورُ الاسم راوی سے صرف ایک ہی شخص نے حدیث روایت کی ہو) تو وہ (مذکور الاسم) راوی "مجہول العین" ہے، یا (اُس مذکور الاسم سے روایت کرنے والا ایک نہ ہو بلکہ) دو یا دو سے زائد اشخاص ہوں اور اس (مذکور الاسم) کی توثیق نہ کی گئی ہو تو پھر وہ "مجہول الحال" ہے۔ اور یہی (مجہول الحال) "مستور" (بھی کہلاتا) ہے۔

تشریح:

۸۔ جہالت:

راوی پر طعن کا آٹھواں سبب جہالت ہے۔ بعض دفعہ راوی کا نام بھی لکھا ہوا ہوتا ہے، لیکن اسماء الرجال کی کتابوں میں اس راوی کا ذکر نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے محدثین لکھتے ہیں "لم أعرفه" جیسے امام ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" میں متعدد بار لکھا ہے "لم

أعرفه“، حالانکہ اس راوی کا نام لکھا ہوتا ہے۔

اسبابِ جہالت:

جہالت کے تین اسباب ہیں:

(۱) غیر معروف صفت کے ساتھ تذکرہ (۲) راوی کا قلیل الروایت ہونا (۳) راوی کا نام مذکور نہ ہونا۔

۱۔ غیر معروف صفت کے ساتھ تذکرہ:

ایک سبب یہ ہے کہ راوی کی کئی صفات ہوں، اور راوی کا غیر مشہور صفت کے ساتھ تذکرہ کیا جائے۔ جیسے ”محمد بن سائب بن بشر کلبی“ کو بعض نے دادا کی طرف منسوب کر کے ”محمد بن بشر“ کہا۔ بعض نے ان کا نام ”حماد“ ذکر کیا، بعض نے ان کی کنیت ”ابونصر“، بعض نے ”ابوسعید“ اور بعض نے ”ابوھشام“ استعمال کی ہے۔ (تیسیر وغیرہ)

غیر مشہور وصف کے ساتھ تذکرہ کرنے کی غرض صالح بھی ہو سکتی ہے اور فاسد بھی۔ فاسد اس صورت میں ہوگی کہ جب کوئی راوی ضعیف ہے اور اس کو غیر مشہور صفت کے ساتھ ذکر کیا جائے، تا کہ ضعیف راوی کا پتہ نہ چلے۔

اس فن میں علماء نے کتابیں تصنیف کی ہیں، ان کو ”مُوضِحات (وضاحت کرنے والی کتابیں)“ کہتے ہیں۔ ان کتابوں میں غیر مشہور راوی کو مشہور نام کے ساتھ ذکر کر کے اس راوی کی مکمل وضاحت کر دی جاتی ہے۔

۲۔ راوی کا قلیل الروایت ہونا:

جہالت کا ایک سبب ”راوی کا قلیل الروایت ہونا“ ہے۔ کہ اس راوی سے بہت کم

حدیثیں مروی ہیں کہ اس نے کہیں کسی علاقے میں کوئی حدیث سُنادی، اور اس سے کچھ آدمیوں نے حدیث سُنی اور آگے بیان کردی۔ جب یہ حدیث بعد کے محدثین کے پاس پہنچی، اور انہوں نے اس راوی کو "کتب اسماء الرجال" میں ڈھونڈا، تو ان کو اس کا نام ملا ہی نہیں، تو یہ راوی مجہول ہوگا اگرچہ اس کا نام ذکر کیا گیا ہو۔

اس فن کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُنہیں "وُحدان" کہتے ہیں۔ لفظِ وُحدان، واحد کی جمع ہے۔ اصولِ حدیث کی اصطلاح میں "واحد" اس محدث کو کہا جاتا ہے جس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو یعنی کوئی دوسرا راوی اُس حدیث کے روایت کرنے میں اِس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ اس محدث کا اگرچہ نام مذکور ہو پھر بھی یہ وُحدان میں شامل ہو کر "مجہول" ہی کے زمرہ میں آئے گا۔ بہرحال وُحدان ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں اس قسم کے قلیل الحدیث رُوات کا تذکرہ ہوتا ہے۔

۳۔ راوی کا نام مذکور نہ ہونا:

پہلے دو سبب جہالت کے وہ تھے کہ راوی کا نام تو مذکور ہوتا ہے، لیکن جہالت کسی اور وجہ سے ہوتی ہے۔ جہالت کا تیسرا سبب یہ ہے کہ "راوی کا نام ہی مذکور نہ ہو"۔ نام ذکر نہ کرنے کی غرض اختصار ہے، مثلاً راوی اپنے استاذ کا نام ترک اور حذف کر کے یہ کہے "اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ، اَوْ فُلَانٌ، اَوْ شَیْخٌ"۔

اس مبہم قسم کے مجہول راویوں کے نام ذکر کرنے کے لئے جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں اُنہیں "اَلْمُبْهَمَات" کہتے ہیں۔ مبہم راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا جاتا، اگرچہ اُسے تعدیل کے لفظ کے ساتھ مبہم رکھا گیا ہو، جیسے راوی یوں کہے اَخْبَرَنِیْ ثِقَةٌ"۔

اَلْمُبْهَم: مبہم وہ راوی ہے جس کا نام ہی مذکور نہ ہو۔

مبہم کا حکم: اس کی روایت غیر مقبول ہے، جب تک راوی کا نام کا علم نہ ہو، خواہ راوی خود نام لے یا کسی دوسرے طریق وسند سے اس کے نام کا علم ہو۔ (تیسیر وغیرہ)

مذہبِ احنافؒ:

احنافؒ کے نزدیک مبہم کی روایت قبول ہے بشرطیکہ قرونِ ثلاثہ سے تعلق رکھتا ہو۔ (دراسات وغیرہ)

فان سمّی وانفرد الخ:

مجہول العین:

وہ راوی ہے جس سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہو، اس مروی عنہ کو "مجہول العین" کہتے ہیں۔

مجہول العین کا حکم:

اس کی روایت غیر مقبول ہے، اِلّا یہ کہ کسی ذریعے سے توثیق ہوجائے۔ توثیق کے دو ذرائع ہیں:

(۱) اس مجہول سے روایت کرنے والے کے علاوہ کوئی دوسرا توثیق کرے۔

(۲) خود راوی توثیق کرے، بشرطیکہ وہ اس مرتبہ کا حامل ہو۔ (تیسیر وغیرہ)

مذہبِ احنافؒ:

مجہول العین کی روایت مقبول ہے، اِلّا یہ کہ سَلَف نے اُسے ردّ کردیا ہو، یا یہ کہ اس کا ظہور قرونِ ثلاثہ کے بعد ہو۔ (دراسات وغیرہ)

مجہول الحال:

وہ راوی ہے جس سے روایت کرنے والے تو دو یا دو سے زیادہ ہیں لیکن اس مروی عنہ کی توثیق نہیں کی گئی، یعنی کسی نے اس کو ثقہ وغیرہ نہیں کہا، اور اس کو "مستور" بھی کہتے ہیں۔

مجہول الحال کا حکم:

اسکی روایت کا حکم یہ ہے کہ اس کی روایت جمہور کے صحیح قول کے مطابق مردود ہے۔

مذہب احنافؒ:

مجہول الحال راوی مقبول ہے (خواہ عدل الظاہر وحقی الباطن ہو، یا دونوں کی رُو سے مجہول ہو) بشرطیکہ قرونِ ثلاثہ سے تعلق رکھتا ہو (دراسات وغیرہ)

ثُمَّ البِدْعَةُ: إمَّا بِمُكَفِّرٍ، أو بِمُفَسِّقٍ. فَالْأَوَّلُ: لَا يَقْبَلُ صَاحِبَها الجُمْهُورُ. وَالثَّانِي: يُقْبَلُ مَنْ لَم يَكُنْ دَاعِيَةً، فِي الْأَصَحِّ، إلاَّ إِنْ رَوَى مَا يُقَوِّي بِدْعَتَهُ فَيُرَدُّ، عَلَى الْمُخْتَارِ، وَبِهِ صَرَّحَ الجُوْزَجَانِيُّ شَيْخُ النَّسَائِيِّ

ترجمہ: پھر "بدعت": یا تو کفر کی طرف منسوب کرنے والی بات کے ذریعہ ہوگی، یا فسق کی طرف منسوب کرنے والی بات کے ذریعہ ہوگی (یعنی بدعت یا تو مستلزِم کفر ہوگی یا مستلزِم فسق ہوگی)۔ چناں چہ (بدعت کی) قسم اول جو (مستلزم کفر) ہے اس بدعت والے (بدعتی کی روایت) کو جمہور قبول نہیں کرتے۔ اور قسم ثانی (میں) اس بدعتی (کی روایت) کو قبول کیا جاتا ہے جو (اپنی بدعت کا) داعی نہ ہو، اصح قول کے موافق، ہاں!

اگر وہ (مقبول بدعتی) ایسی حدیث روایت کرے جو اس کی بدعت کو تقویت پہنچائے تو (پھر خاص اُس وقت) وہ راوی، مذہبِ مختار کے مطابق، (غیر مقبول قرار پا کر) رد کر دیا جائے گا (اور اس کی وہ مقویۂ بدعت روایت قبول نہیں کی جائے گی)۔ امام نَسائیؒ کے استاذ امام جُوزَجانیؒ نے اس (مذہبِ مختار) کی صراحت کی ہے۔

تشریح:

۹۔ بدعت:

طعن کا نواں سبب بدعت ہے، پھر بدعت یا تو مستلزمِ کفر ہوگی یا مستلزمِ فسق ہوگی۔ پہلی قسم جو مستلزمِ کفر ہے، اس بدعت والے راوی کی روایت کو محدثین بالکل قبول نہیں کرتے۔

دوسری قسم جو مستلزمِ فسق ہے، اس بدعت والے راوی کی روایت قبول ہے، مگر ایک شرط کے ساتھ۔ وہ شرط یہ ہے کہ وہ راوی اس بدعت کی دعوت نہ دیتا ہو، یہ تو حافظ ابنِ حجر شافعیؒ نے لکھا ہے۔

احنافؒ کے نزدیک ایک شرط اور بھی ہے کہ وہ عادل وثقہ ہو، یہ شرط علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اپنی کتاب ''اعلاء السنن'' میں ذکر کی ہے۔ اب عند الاحناف عبارت یہ ہوگی۔

''یقبل من لم یکن داعیة اذا کان عدلا ثقة'' ہاں! اگر اسی راوی کی کوئی روایت ایسی ہے کہ جس سے اس بدعت کو تقویت ملتی ہے، تو ایسی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا، باقی روایتیں قبول ہوں گی۔

امام نسائیؒ کے استاذ ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانیؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔

ثُمَّ سُوءُ الْحِفْظِ: إِنْ كَانَ لَازِماً فَهُوَ الشَّاذُّ عَلَى رَأْيٍ، أَوْ طَارِئاً فَالْمُخْتَلِطُ. وَمَتَى تُوبِعَ سَيِّئُ الْحِفْظِ بِمُعْتَبَرٍ، وَكَذَا الْمَسْتُورُ، وَالْمُرْسِلُ، وَالْمُدَلِّسُ: صَارَ حَدِيثُهُمْ حَسَناً لَا لِذَاتِهِ، بَلْ بِالْمَجْمُوعِ.

ترجمہ: پھر ”سوءِ (حافظہ کی خرابی)“: اگر وہ (راوی کو ہر حال میں) لازم ہو تو بعض محدثین کی رائے کے موافق وہ (حدیث) ”شاذّ“ ہے، یا وہ (راوی عارضی) ہوا ہو تو وہ (راوی) ”مُختلِط“ ہے۔ جب ”سيئ الحفظ راوی“ کی کسی معتبر راوی کے ذریعے متابَعت کر دی جائے (یعنی جب سيئ الحفظ کا کوئی معتبر مُتابِع مل جائے تو) اسی طرح ”مستور (یعنی مجہول الحال)“، ”مُرسِل“ اور ”مُدلِّس“ (راویوں کا جب کوئی معتبر متابِع مل جائے)، تو کی حدیث ”حسن“ ہو جاتی ہے لیکن ”حسن لذاتہ“ نہیں بلکہ (متابِع اور متابَع کے) مجموعہ کا اعتبار کرتے ہوئے (اس کو ”حسن لغیرہ“ کہا جاتا ہے)۔

ف: یہ بھی جائز ہے کہ عبارتِ بالا میں ”مرسل“ اور ”مدلس“ کو بصیغہ اسم مفعول پڑھا جائے۔

تشریح:

۱۰۔ سوءِ حفظ

یہ راوی پر طعن کا آخری سبب ہے۔ سوءِ حفظ والا راوی وہ ہوتا ہے جس کا حافظہ درست اور قابلِ اعتماد نہیں ہوتا، ایسے راوی کو ”سیّءُ الحفظ“ کہتے ہیں۔

پھر سوءِ حفظ کی دو قسمیں ہیں: (۱) سوءِ حفظ لازم (۲) سوءِ حفظ طاری

۱۔ سوءِ حفظ لازم:

سوءِ حفظ لازم کا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی شروع سے سوءِ حفظ کی بیماری کا شکار ہو، اُسے ہمیشہ سوءِ حفظ رہتا ہو۔

ہمیں ''اسماء الرجال'' کی کتابوں سے معلوم ہوگا کہ اس راوی کو سوءِ حفظ لازم ہے یا طاری، وہ راوی جس کا سوءِ حفظ لازم ہے اس کی روایت کو ''شاذ'' کہتے ہیں ایک رائے کے مطابق۔ لیکن ایک رائے کے مطابق شاذ وہ ہے کہ جب ثقہ اپنے سے اوثق کی مخالفت کر رہا ہو تو ثقہ کی روایت کو ''شاذ'' کہتے ہیں۔

حکم: اس راوی کی حدیث ''مردود'' ہے۔

۲۔ سوءِ حفظ طاری:

سوءِ حفظ طاری کا یہ مطلب ہے کہ راوی کا پہلے حافظہ صحیح تھا، عمر کے کسی حصے میں سوءِ حفظ کا شکار ہو گیا۔

مثلاً عمر ۶۰ سال ہے۔ ۴۰ سال تک حافظہ صحیح تھا، ۴۰ سال کے بعد سوءِ حفظ کا شکار ہو گیا۔ وہ راوی جس کا سوءِ حفظ طاری ہے، اس کی حدیث کو ''مختلَط'' اور اس راوی کو ''مختلِط'' کہتے ہیں۔

حکم: وہ راوی جس کو سوءِ حفظ طاری ہوا، اس کی روایت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) قبل الطروء (۲) بعد الطروء (۳) غیر متعیّن

(۱) قبل الطروء کا حکم:

وہ روایت جس کو وہ سوءِ حفظ طاری ہونے سے پہلے بیان کرے، وہ مقبول ہے۔

مثلاً ایک حدیث بیان کی، اور آگے خود بتایا کہ یہ حدیث میں نے فلاں حج کے موقع

پر یا فلاں سفر میں بیان کی۔ اس وقت اس کی عمر ۳۰ سال تھی، اور سوء حفظ ۴۰ سال کی عمر کے بعد ہوا، تو پتہ چلا کہ یہ حدیث سوء حفظ طاری ہونے سے پہلے کی ہے، لہٰذا ایسی حدیث مقبول ہوگی۔

(۲) بعد الطروء کا حکم:

وہ روایت جس کو سوء حفظ طاری ہونے کے بعد بیان کیا، وہ مردود ہے۔

کیونکہ سوء حفظ طعن کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور اس کی وجہ سے روایت مردود ہوجاتی ہے۔

(۳) غیر متعیّن کا حکم:

وہ روایت جس کا پتہ نہیں چل رہا کہ یہ سوء حفظ سے پہلے کی ہے یا سوء حفظ کے بعد کی ہے، اس میں توقف کریں گے۔ پھر اگر پتہ چل گیا کہ سوء حفظ سے پہلے کی ہے تو مقبول ہوگی، اور اگر پتہ چلا کہ سوء حفظ کے بعد کی ہے تو مردود ہوگی۔

متی توبع السیئ الحفظ ....الخ

یہاں سے مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ جب سیّئ الحفظ راوی کی ''معتبر'' راوی کے ذریعہ متابعت ہوجائے، اسی طرح مستور یعنی مجہول الحال راوی کی، مرسِل راوی کی اور مدلِّس راوی(۱) کی ''معتبر'' کے ساتھ متابعت ہوجائے، تو ان کی حدیث ''حسن لغیرہ'' ہوجائے گی۔

---

(۱) اس کو مرسَل اور مدلَّس بھی پڑھ سکتے ہیں، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بصیغۂ اسم مفعول، مرسَل و مدلَّس ''اسناد'' کی صفت واقع ہوں گے، یعنی الاسناد المرسَل والاسناد المدلَّس۔ پھر مطلب یہ ہوگا کہ اسنادِ مدلَّس یعنی حدیثِ مدلَّس کی اگر بذریعہ ''معتبر (وہ معتبر راوی بھی ہوسکتا ہے اور اسناد و حدیث بھی)'' متابعت پائی جاتی ہے تو وہ حدیث حسن لغیرہ ہوجائے گی — اور بصیغۂ اسم فاعل یہ راوی کی صفت واقع ہوں گے۔ اور ایک حوالے سے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ متن کی عبارت صار حدیثھم کے بجائے صار الحدیث ہوتی تو زیادہ بہتر تھا، تاکہ مرجعِ ضمیر کی وجہ سے واقع ہونے والی الجھن در پیش نہ ہوتی۔

المعتبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرا راوی اس پہلے راوی کی طرح سیّئ الحفظ ہو یا اس سے حافظہ میں اچھا یعنی تام الضّبط ہو یا خفیف الضّبط ہو۔ مُلّا علی قاریؒ نے معتبر کا مطلب یہی لکھا ہے: ”بان یکون فوقه او مثله لا دونه“ اگر دوسرا راوی، پہلے والے سیّئ الحفظ سے بھی نیچے درجہ کا ہے یعنی اس دوسرے کا حافظہ بالکل خراب ہے، تو یہ دوسرا راوی معتبر نہیں ہوگا، اور اس کے ذریعے متابعت شمار نہ ہوگی۔

حصۂ دوم (نصفِ اخیر)

ثُمَّ الْإِسْنَادُ: إِمَّا أَنْ يَنْتَهِيَ إِلَى النَّبِيِّ صلَّى اللهُ عَلَيْه وَسَلَّم تَصْرِيحاً، أَوْ حُكْماً: مِنْ قَوْلِهِ، أَوْ فِعْلِهِ، أَوْ تَقْرِيْرِه. أَوْ إِلَى الصَّحَابِيِّ كَذٰلِكَ: وَهُوَ: مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْه وَسَلَّم مُؤمِناً بِهِ وَمَاتَ عَلَى الإِسْلَامِ وَلَوْ تَخَلَّلَتْ رِدَّةٌ فِي الأَصَحِّ. أَوْ إِلَى التَّابِعِيِّ: وَهُوَ مَنْ لَقِيَ الصَّحَابِيَّ كَذَلِكَ. فَالْأَوَّلُ: الْمَرفُوْعُ، وَالثَّانِي: الْمَوْقُوفُ، والثَّالِثُ: الْمَقْطُوعُ، وَمَنْ دُوْنَ التَّابِعِيِّ فِيْه مِثْلُهُ. وَيُقَالُ لِلْأَخِيْرَيْنِ: الْأَثَرُ.

ترجمہ: پھر ـــ ”سند تو نبی ؐ کریم ﷺ تک پہنچتی ہوگی صراحۃً یا حکماً، (اس سند سے منقول ہونے والی روایت) آپ ﷺ کے قول، فعل یا تقریر میں سے (ہوگی)۔ یا سند بالکل اسی طریقے سے صحابی تک پہنچتی ہوگی۔ اور صحابی وہ ہے جس نے نبی ؐ کریم ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور اسلام پر اس کا انتقال ہوا ہو اگر چہ درمیان میں (اس کو) ارتداد بھی پیش آ گیا ہو اصح قول کے مطابق۔ یا سند پہنچتی ہوگی تابعی تک۔ اور تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے اسی طرح ملاقات کی ہو۔

چناں چہ قسم اول ـــ ”خبر مرفوع ـــ“ ہے، دوم ـــ ”خبر موقوف ـــ“ ہے اور سوم ـــ ”خبر مقطوع ـــ“۔ اور جو لوگ تابعی سے نیچے ہیں (یعنی تبع تابعین وغیرہ) وہ اس (نام رکھنے) میں اسی (یعنی اسناد کی قسمِ ثالث ـــ ”مقطوع ـــ“) کے مثل ہیں۔ اور آخری دو قسموں (موقوف

ومقطوع) کو ”اثر“ کہا جاتا ہے۔

ف: ”قول، فعل اور تقریر“ کا تعلق حضور ﷺ صحابی اور تابعی تینوں کے ساتھ ہے۔ قول و فعل کا مطلب تو واضح ہے اور تقریر کا مطلب ہے: ”برقرار رکھنا“ یعنی اپنے سامنے کسی شخص کو کوئی بات یا کام کرتے دیکھ کر خاموش رہنا اور اُس کو اِس سے نہ روکنا، جیسا کہ آغازِ کتاب میں گزر چکا ہے۔

عموماً آخری دو قسموں (موقوف ومقطوع) کو ”اثر“ کہا جاتا ہے۔ جبکہ خبر یا حدیث کا لفظ اکثر قسم اول (مرفوع) کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ اثر، خبر اور حدیث کبھی کبھار ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔

تشریح:

یہاں سے مصنفؒ حدیث مرفوع، موقوف اور مقطوع کو تفصیل سے بیان فرما رہے ہیں۔

مرفوع

وہ حدیث ہے جس کی سند، حضور علیہ السلام تک پہنچتی ہو، آگے حضور ﷺ کا قول یا فعل یا تقریر منقول ہو، خواہ یہ نقل صراحۃً ہو یا حکماً۔

تصریحاً:

تصریحاً کا مطلب یہ ہے کہ سند کے بعد حضور علیہ السلام کا قول یا فعل یا تقریر بیان کی جائے۔ حدیث مرفوع صریح کی تین قسمیں بنتی ہیں:

(۱) حدیث مرفوع قولی صریح
(۲) حدیث مرفوع فعلی صریح
(۳) حدیث مرفوع تقریری صریح

(۱) حدیث مرفوع قولی صریح:

وہ حدیث ہے جس کی سند حضور ﷺ تک پہنچی ہو، اور سند کے بعد حضور علیہ السلام کا کوئی صریح ارشاد نقل کیا گیا ہو۔

مثال: جیسے صحابیؓ کہیں "سمعتُ رسول الله ﷺ یقول کذا" یا "حدثنا رسول الله بکذا" یا راوی (خواہ صحابی ہو یا غیر صحابی) کہے "قال رسولُ الله کذا"۔

(۲) حدیث مرفوع فعلی صریح:

وہ حدیث ہے جس کی سند آپ ﷺ تک پہنچی ہو، آگے حضور ﷺ کا کوئی عمل صراحۃً نقل کیا گیا ہو۔

مثال: جیسے صحابیؓ کہیں "رأیتُ رسولَ الله فعَلَ کذا" یا راوی (خواہ صحابی ہو یا غیر صحابی) کہے "کان رسولُ الله یَفعلُ کذا"۔

(۳) حدیث مرفوع تقریری صریح:

وہ حدیث ہے جس کی سند حضور علیہ السلام تک پہنچی ہو اور آپ کا کسی کام کو یا کسی بات کو برقرار رکھنا صراحۃً نقل کیا گیا ہو۔

مثال: جیسے صحابیؓ کہیں "فعلتُ بحضرۃ النبی ﷺ کذا" پھر آپ ﷺ کا انکار بیان نہ کرے، (یا راوی صحابی ہو یا غیر صحابی) کہے فعل فلان بحضرۃ النبی کذا پھر آپ کا انکار بیان نہ کرے۔ (نزھہ وغیرہ)

حکماً:

حکماً کا تعلق تینوں کے ساتھ ہے، یعنی آپ علیہ السلام کا قول، یا فعل اور تقریر۔

حکماً صرف حدیث مرفوع کی تعریف میں شامل ہے، موقوف اور مقطوع کی تعریف میں شامل نہیں ہے۔ حدیث مرفوع حکمی کی بھی تین قسمیں بنیں گی۔

(۱) حدیث مرفوع قولی حکمی (۲) حدیث مرفوع فعلی حکمی
(۳) حدیث مرفوع تقریری حکمی

(۱) حدیث مرفوع قولی حکمی:

یہ ہے کہ جو حدیث صحابی تک پہنچ کر ختم ہو جائے، آگے صحابی کا قول کہہ کر مذکور ہو لیکن قول ایسا ہے جس کو صحابی اپنے اجتہاد سے بیان نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ صحابی اسرائیلی روایات بیان نہ کرتا ہو اور صحابی کی کہی ہوئی بات کسی لفظ کا معنی نہ ہو اور نہ ہی کسی قلیل الاستعمال لفظ کی تشریح ہو۔ (نزھہ)

مثال: جیسے احوال آخرت، جنّت کی حور کے احوال، اتنی رکعات نفل پڑھو گے تو جنّت میں محل ملے گا۔ یہ باتیں صحابی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا بلکہ حضور علیہ السلام سے سن کر ہی کہی ہوں گی، تو ایسی حدیث کو ”حدیث مرفوع قولی حکمی“ کہتے ہیں۔

(۲) حدیث مرفوع فعلی حکمی:

وہ حدیث ہے جس کی سند صحابی تک پہنچ کر ختم ہو جائے، آگے صحابی کا فعل مذکور ہو لیکن وہ فعل ایسا ہے جس کو صحابی اپنے اجتہاد سے نہیں کر سکتا۔

مثال: جیسے حضرت علیؓ نے نمازِ کسوف کی ہر ہر رکعت میں دو، دو، رکوع کئے۔ اب یہ تعیین حضرت علیؓ خود نہیں کر سکتے، بلکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی کی ہوگی۔ اس کو ”حدیث مرفوع فعلی

حکمی'' کہتے ہیں۔

(۳) حدیث مرفوع تقریری حکمی:

وہ حدیث ہے جس کی سند صحابی تک پہنچ کر ختم ہو جائے، آگے صحابی حضور علیہ السلام کے زمانے میں کسی کام کی اطلاع دے۔

مثال: جیسے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول، صحیح بخاری میں ہے" کُنّا نعزلُ علی عھد رسول اللہ وما نُھِینا ہم حضور علیہ السلام کے زمانے میں عزل کرتے تھے اور ہمیں روکا نہیں گیا۔ ایک اور روایت ہے کنّا نعزل والقرآن ینزل" ایسی حدیث کو" حدیث مرفوع تقریری حکمی'' کہیں گے۔

موقوف

وہ روایت جس کی سند صحابی تک پہنچتی ہو، پھر وہ روایت خواہ صحابی کا قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو۔

حدیث موقوف یعنی صحابی کے قول، فعل اور تقریر میں تصریحاً شامل ہے، حکماً شامل نہیں۔ (نزھہ)

صحابی کی تعریف

صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں آپ ﷺ سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت میں انتقال ہوا ہو۔ مصنفؒ نے صحابیت میں داخل ہونے کی تین شرطیں بیان کی ہیں۔

(۱) آپ علیہ السلام سے ملاقات کی ہو (۲) ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو

(۳) انتقال اسلام پر ہوا ہو

مذہب احناف:

ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اگر درمیان میں — العیاذ باللہ — ارتداد متخلل ہو گیا تو اس کی وجہ سے صحابی ہونے سے نہیں نکلے گا، یہ شوافع کا مذہب ہے جبکہ احناف کا یہ مذہب ہے کہ جب ارتداد کے بعد پھر اسلام لے آیا تو اسلام کے بعد دوبارہ ملاقات کا ہونا ضروری ہے۔ اگر دوبارہ اسلام کے بعد ملاقات نہیں ہوئی تو صحابی نہیں کہیں گے (شرح القاری)

انتباہ: بعض علماء نے صحابی کی تعریف میں ''دیکھنے'' کی شرط لگائی ہے، یہ صحیح نہیں ہے ورنہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ، صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) میں شمار نہیں ہوں گے، حالانکہ بالاتفاق وہ صحابی ہیں۔ اسی طرح بات چیت کرنا بھی ضروری نہیں۔

مقطوع

مقطوع وہ روایت ہے جس کی سند تابعی تک پہنچے، پھر وہ روایت خواہ قولی ہو یا فعلی ہو یا تقریری۔ تابعی کے قول، فعل اور تقریر میں تصریحاً شامل ہے، جبکہ حکماً شامل نہیں۔

تابعی کی تعریف:

تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی ہو، مذکورہ تین شرطوں کے ساتھ، یعنی:

(۱) صحابی سے ملاقات کی ہو (۲) ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو

(۳) انتقال اسلام پر ہوا ہو

مذہب احناف:

احناف کے ہاں تخلل ردۃ کی صورت میں تابعی کے بارے میں وہی مذہب ہے جو

صحابی کے بارے میں ابھی گزرا ہے۔

ف: (ا) تابعی سے نیچے طبقے والوں کی حدیث کو بھی ''مقطوع'' کہا جاتا ہے۔

(2) اس مذکورہ حدیث کو جس طرح ـــ''مقطوع ـــ'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کو یوں بھی کبھی تعبیر کرتے ہیں نموقوف علی فلان (ای فلان من التابعین ومَن دونہ) جیسے یوں کہا جائے وَقَفَہ مَعْمَرٌ علی ھمّامٍ اور وَقَفَہ مالِكٌ علی نافعٍ

(شرح القاری)

وَالْمُسْنَدُ: مَرْفُوْعُ صَحَابِيٍّ بِسَنَدٍ ظَاهِرُهُ الْاِتِّصَالُ.

ترجمہ: ''مسند ـــ'' صحابی کی مرفوعاً بیان کردہ حدیث ہے ایسی سند کے ساتھ جو بظاہر متصل ہو۔

تشریح:

حدیثِ مُسنَد:

ـــ''مُسنَد ـــ'' صحابی کی اس مرفوع حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند بظاہر متصل ہو، لیکن انقطاع حقی ہو سکتا ہے، مثلاً ابن ماجہ نے ایک حدیث روایت کی، جس کی سند آپ علیہ السلام تک پہنچتی ہے، درمیان میں صحابی کا ذکر بھی آتا ہے اور حضور علیہ السلام کا بھی، صحابی نے حضور علیہ السلام کا حوالہ دے کر بات بیان کی، سند بظاہر متصل ہے، اس حدیث کو مسند کہتے ہیں۔

ف: بعض محدثین مطلق متصل سندوالی حدیث کو ـــ''مسند ـــ'' کہہ دیتے ہیں خواہ وہ موقوف یا مقطوع ہی کیوں نہ ہو۔

فَإِنْ قَلَّ عَدَدُهُ: فَإِمَّا أَنْ يَنْتَهِيَ إِلى النَّبِيِّ صلَّى اللهُ عليه وسَلَّم، أَوْ إِلى إِمَامٍ ذِي صِفَةٍ عَلِيَّةٍ كَشُعْبَةَ. فَالْأَوَّلُ: العُلُوُّ الْمُطْلَقُ. والثَّانِي: النِّسْبِيُّ.

ترجمہ: پھر اگر کسی سند کے رجال کی تعداد (دوسری سند کے عددِ رجال کی بہ نسبت) کم ہوتو یہ (قلیل العدد سند) یا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہوگی؛ یا کسی شانِ عالی کے حامل، امامِ حدیث تک پہنچتی ہوگی جیسے حضرت شعبہؒ۔ تو پہلی صورت "علوِّ مطلق" (سے موسوم) ہے اور دوسری صورت "علوِّ نسبی" (کہلاتی) ہے۔

تشریح:

وسائط سند کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم

اب جب کوئی سند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو اس سند کے راویوں کی تعداد دیکھی جائے گی، راویوں کی کمی بیشی سے سند کی ایک قسم بن جاتی ہے۔ ایک سند عالی ہوتی ہے، ایک نازل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ابن ماجہ کے پاس ایک حدیث ہے اس کی تین سندیں ہیں ایک سند میں آٹھ راوی، دوسری سند میں نو راوی اور تیسری سند میں بھی آٹھ راوی ہیں۔

آٹھ راویوں والی سند عالی ہے، نو راویوں والی سند نازل ہے کیونکہ راوی زیادہ ہو گئے اور یہ سند اُوپر والے درجے سے اُتر گئی اور دونوں آٹھ راویوں والی سندیں مساوی ہیں اور اگر ساری سندیں آٹھ راویوں والی ہیں تو پھر کوئی سند نازل اور عالی نہیں بنے گی، بلکہ یہ سندیں مساوی ہوں گی۔ اس ''علو'' اور ''نزول'' کو ''علو مطلق'' اور ''نزول مطلق'' کہتے ہیں۔ یعنی جو سند مصنفِ کتاب سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہو اس کو ''علو مطلق'' اور

"نزول مطلق" کہیں گے۔

اس کے علاوہ ایک اور، عالی اور نازل بھی ہوتی ہے مثلاً آج کل کے زمانے میں کسی عالم کے پاس ایک حدیث ہے جس کی تین سندیں ہیں۔

ایک سند میں اُس عالم سے لیکر مثلاً ابن ماجہ تک چھبیس (۲۶) واسطے ہیں، دوسری سند میں ابن ماجہ تک پچیس (۲۵) واسطے ہیں ایک واسطہ کم ہو گیا، اور تیسری سند میں چھبیس (۲۶) واسطے ہیں۔ اب پچیس (۲۵) واسطوں والی سند "عالی" ہوگی اور چھبیس (۲۶) واسطوں والی "نازل" ہوگی اور چھبیس (۲۶) واسطوں والی دونوں سندیں "مساوی" ہوں گی۔

اب یہ بھی عالی اور نازل ہیں، اس علو اور نزول کو "علونسبی" اور "نزول نسبی" کہتے ہیں مصنفِ کتاب سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جو سند چلی ہے اس میں جو عالی اور نازل ہوتی ہے یہ علو مطلق اور نزول مطلق کی قسمیں ہیں۔

اور جو سلسلہ آج کل کے عالم سے لے کر مثلاً ابن ماجہ یا دوسرے مصنفین تک ہے، یہ علونسبی اور نزول نسبی کی قسمیں ہیں کیونکہ یہ خاص ایک مصنف کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے عالی اور نازل ہے، اس لئے اس کو علونسبی اور نزول نسبی کہتے ہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ سند ابن ماجہ کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے عالی ہے، حقیقۃً نازل ہو۔ مثلاً کوئی عالم جو ابن ماجہ کے قریب زمانہ کا تھا ایک حدیث اس تک پہنچی، اس عالم اور ابن ماجہ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، جبکہ اسی حدیث کی دوسری سندیں، اسی کے پاس ہیں لیکن اس میں واسطے تین سے زیادہ ہیں، لہٰذا یہ ابن ماجہ تک علو کے ذریعے پہنچا لیکن خود ابن ماجہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اُسی حدیث میں دس واسطے ہیں، خود

ابن ماجہ کے پاس یہ سند نازل تھی، لہٰذا حقیقۃً تو نازل ہے لیکن ابن ماجہ کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے عالی ہے۔

سند عالی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) علو مطلق (۲) علو نسبی

وَفِيهِ الْمُوافَقَةُ: وَهِيَ الْوُصُولُ إِلى شَيْخِ أَحَدِ الْمُصَنِّفِينَ مِنْ غَيْرِ طَرِيقِهِ.

وَفِيهِ الْبَدَلُ: وَهُوَ الْوُصُولُ إِلى شَيْخِ شَيْخِهِ كَذٰلِكَ.

وَفِيهِ الْمُسَاوَاةُ: وَهِيَ اسْتِوَاءُ عَدَدِ الإِسْنَادِ مِنَ الرَّاوِي إِلى آخِرِهِ مَعَ إِسْنَادِ أَحَدِ الْمُصَنِّفِينَ.

وَفِيهِ الْمُصَافَحَةُ: وَهِيَ الاسْتِوَاءُ مَعَ تِلْمِيذِ ذٰلِكَ الْمُصَنِّفِ، وَيُقَابِلُ الْعُلُوَّ بِأَقْسَامِهِ النُّزُولُ.

ترجمہ: اور ”علوّ نِسبی“ (کی اقسام) میں ”موافقت“ ہے اور وہ (موافقت) مصنفین کتبِ حدیث میں سے کسی ایک کے استاذ تک، اُس مصنف کی سند کے علاوہ کسی اور سند سے پہنچنا ہے۔ اور اس میں ”بدل“ ہے اور وہ اُس مصنف کے استاذ کے استاذ تک اسی طرح پہنچنا ہے۔ اور اس میں ”مساوات“ ہے اور وہ راوی سے لے کر آخر سند تک اُس سند کے عددِ رجال کا، کسی مصنف کی سند کے عددِ رجال کے برابر ہونا ہے۔ اور اس میں ”مصافحہ“ ہے اور وہ اُس مصنف کے شاگرد کے ساتھ (اسی طرح) برابر ہونا ہے۔ اور ”نزول“، علو کی جملہ اقسام سمیت ”علو“ کے مقابل آتا ہے۔

تشریح:

علوِّ نسبی کی اقسام

پھر علو نسبی کی چار قسمیں ہیں:

(۱)موافقت (۲)بدل (۳)مساوات (۴)مصافحہ

(۱) موافقت:

مصنفین میں سے کسی کے شیخ تک پہنچنا ایسی سند کے ذریعے سے جو سند مصنف کے واسطے سے خالی ہو اور اس سند میں مصنف کے واسطے والی سند سے راوی بھی کم ہوں۔

مثال:

جیسے امام بخاریؒ نے اپنے اُستاد قتیبہؒ کے واسطے سے امام مالکؒ سے حدیث نقل کی، اب اگر آج کل کوئی عالم اس حدیث کو امام بخاریؒ کے ے واسطے سے نقل کرتا ہے اور اس عالم اور امام قتیبہ کے درمیان پچیس (۲۵) واسطے ہیں لیکن اسی عالم نے اسی حدیث کی کوئی ایسی سند ڈھونڈی، جو امام بخاریؒ کے واسطے سے خالی ہے لیکن اُن کے اُستاد قتیبہؒ تک پہنچ جاتی ہے اور اس سند میں اس عالم اور امام قتیبہؒ کے درمیان واسطے بھی چوبیس (۲۴) ہیں، ایک واسطہ بھی کم ہو گیا تو اس کو (مصنف کے ساتھ) ''موافقت'' کہتے ہیں۔

(۲) بدل:

مصنفین میں سے کسی کے شیخ کے شیخ یعنی اُستاد کے اُستاد تک ایسی سند کے ساتھ پہنچنا جو سند مصنف اور اس کے اُستاد کے واسطے سے خالی ہو اور اس سند میں مصنف اور اس کے

اُستاد کے واسطے والی سند سے راوی بھی کم ہوں۔

مثال:

جیسے امام بخاریؒ کوئی حدیث اپنے اُستاد قتیبہؒ کے واسطے سے امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اب آج کل یا امام بخاریؒ کے بعد کے زمانے والے علماء میں سے کوئی عالم اس حدیث کو امام بخاریؒ اور اِن کے اُستاد کے واسطے سے نقل کرتا ہے تو اس عالم اور امام مالکؒ کے درمیان کے واسطے زیادہ بنتے ہیں لیکن اسی عالم نے اسی حدیث کی کوئی دوسری سند ڈھونڈ لی، وہ دوسری سند امام بخاریؒ اور ان کے اُستاد قتیبہؒ کے واسطے کے بغیر امام مالکؒ تک جاتی ہے اور اس سند میں اس عالم اور امام مالکؒ کے درمیان واسطے بھی کم ہیں۔ تو اس کو (مصنف اور اس کے شیخ کا) ''بدل'' کہیں گے۔

(۳) مساوات:

راوی سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک سند کے راویوں کا عدد اتنا ہو جتنا مصنف کی سند کا عدد حضور اکرم ﷺ تک ہے۔ اب اس مصنف اور راوی کے درمیان مساوات ہو جائے گی۔

مثال:

جیسے امام نسائیؒ نے ایک حدیث روایت کی، امام نسائی اور آپ ﷺ کے درمیان اس کی سند میں سات واسطے ہیں اب یہی حدیث کسی دوسری سند سے کسی دوسرے راوی کے پاس ہے اس راوی اور آپ ﷺ کے درمیان بھی سات واسطے ہیں، اس کو مساوات کہیں گے۔ ان مصنفین کے وقت میں جو علماء تھے ان کے لئے ممکن تھا لیکن آج کل کے علماء

میں سے کسی کیلئے ممکن نہیں ہے۔

(۴) مصافحہ:

راوی سے لے کر حضور اقدس ﷺ تک سند کے راویوں کا عدد اتنا ہو جتنا مصنف کے کسی شاگرد کی حدیث کی سند کے راویوں کا عدد حضور اکرم ﷺ تک ہے۔

مثال:

کوئی ایک شخص حدیث روایت کرتا ہے اور اس حدیث کی سند میں آٹھ راوی ہیں۔ دوسرا راوی (مثلاً امام ابن ماجہ کا شاگرد) اس حدیث کو ابن ماجہؒ کے واسطے سے ذکر کرتا ہے تو اس میں بھی آٹھ راوی ہیں تو گویا اُس شخص کی، مصنف (یعنی ابن ماجہ) سے ملاقات اور مصافحہ ہو گیا۔

”**یقابل العلو باقسامه النزول**“ اس عبارت سے مصنفؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جس طرح ”علو“ کی دو قسمیں تھیں:

(۱) علو مطلق (۲) علو نسبی

پھر علو نسبی کی چار قسمیں تھیں:

(۱) موافقت (۲) بدل (۳) مساوات (۴) مصافحہ

اسی طرح ”نزول“ کی بھی قسمیں ہیں۔ ابتداءً دو قسمیں:

(۱) نزولِ مطلق (۲) نزولِ نسبی

پھر ”نزول نسبی“ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) موافقت (۲) بدل (۳) مساوات (۴) مصافحہ

فَإِنْ تَشَارَكَ الرَّاوِى وَمَنْ رَوَى عَنْهُ فِي السِّنِّ واللُّقِيِّ فَهُوَ الْأَقْرَانُ. وَإِنْ رَوَى كُلٌّ مِنْهُمَا عَنِ الآخَرِ: فَالْمُدَبَّجُ، وَإِنْ رَوَى عَمَّنْ دُونَه: فَالْأَكَابِرُ عَنِ الأَصَاغِرِ، وَمِنْه الآبَاءُ عَنِ الْأَبْنَاء، وَفِي عَكْسِهِ كَثْرَةٌ، وَمِنْهُ مَنْ رَوَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ.

ترجمہ: پھر اگر راوی اور جس سے یہ راوی روایت کرتا ہے (یعنی اس راوی کا استاذ) آپس میں عمر اور اساتذہ سے ملاقات میں شریک ہوں (یعنی دونوں ہم عمر ہوں یا دونوں نے ایک ہی استاذ سے کوئی حدیث حاصل کی ہو) تو وہ ”روایت الاقران“ ہے اور اگر ان دونوں (قرینَین) میں سے ہر ایک دوسرے سے روایت کرے تو وہ ”روایت المدبّج“ ہے اور اگر راوی اُس شخص سے روایت کرے جو اس سے کم مرتبہ ہے تو وہ ”روایت الاکابر عن الاصاغر“ ہے اور ”روایت الآباء عن الابناء“ بھی اسی قسم میں سے ہے۔ اور اس کا برعکس (یعنی ”روایت الاصاغر عن الاکابر“) بہت ہے اور (برعکس والی) اِس (آخری قسم) میں سے اس شخص کی روایت بھی ہے جو عن أبیه عن جدہٖ کی سند سے روایت کرتا ہے۔

تشریح:

روایت کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں

روایت کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں بنتی ہیں:

(۱) روایت الاقران (۲) روایت المدبج

(۳) روایت الاکابر عن الاصاغر (۴) روایت الاصاغر عن الاکابر

(۱) روایت الاقران

سب سے پہلے تو یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ یہاں متن کی عبارت ”واللقی“ میں واوٴ بمعنی اَو ہے جیسا کہ ملاعلی قاری نے لکھا ہے۔ لہٰذا اب تشریح یوں کریں گے: روایت الاقران یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ (شاگرد اور اُستاد) ہم عمر ہوں یعنی عمر میں برابر ہوں کوئی تھوڑا بہت فرق ہو، یا اساتذہ سے ملاقات (یعنی ان سے حدیث حاصل) کرنے میں باہم شریک وساتھی ہوں۔ پھر ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے کوئی حدیث روایت کرے تو اس قسم کو ”روایت الاقران“ کہتے ہیں یعنی ساتھیوں کی روایت۔

مثال: جیسے سلیمان تیمی کی مسعر بن کدام سے روایت دونوں باہم قرین تھے۔ (تیسر)

(۲) روایت المدبج

اگر دونوں قرینَین میں سے ہر ایک دوسرے سے روایت کرے، اس نے اس سے روایت کی اور اس نے اس سے روایت کی تو یہ قسم ”روایت المدبج“ کہلاتی ہے۔ (۱)

مثالیں:

(1) صحابہ میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنا۔

---

(۱) مدبج ”دیباجتی الوجہ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ”دو رخسار“۔ دونوں رخساروں میں سے چونکہ ہر رخسار دوسرے رخسار کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس قسم کو ”روایت المدبج“ کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی دونوں ساتھیوں میں سے ہر ساتھی، دوسرے ساتھی سے روایت کرتا ہے۔

(2) تابعین میں امام زُہریؒ کا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کا امام زہریؒ سے روایت کرنا۔

(3) تبع تابعین میں امام مالکؒ کا حضرت امام اوزاعیؒ سے اور حضرت امام اوزاعیؒ کا امام مالکؒ سے روایت کرنا۔ (تیسیر)

ف: مدبج، اقران سے اخص ہے چنانچہ ہر اقران، مدبج ہوتی ہے اور ہر مدبج، اقران نہیں ہوتی۔

(۳) روایت الاکابر عن الاصاغر

بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا: جیسے اُستاد اپنے شاگرد سے روایت کرے؛ اسی طرح شیخ، مُرید سے روایت کرے؛ اور باپ، بیٹے سے روایت کرے۔ جیسے بیٹا سفر میں تھا، کوئی روایت سنی، گھر واپس آیا اور وہی روایت باپ کو سنائی یا کوئی اور صورت پیش آئی، بہر حال ان سب کو ”روایت الاکابر عن الاصاغر“ کہتے ہیں۔

مثال: حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے فضل بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کیا(۱)۔ (تیسیر)

(۴) روایت الاصاغر عن الاکابر

چھوٹے، بڑوں سے روایت کریں اور یہ تو کثرت سے ہے۔

روایت الابناء عن الاباء: یہ بھی ”روایت الاصاغر عن الاکابر“ کی ایک قسم ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جسے کوئی اپنے والد سے یا والد کے ذریعے اپنے دادا سے، یا کسی اُوپر کے فرد سے روایت کرے۔

---

(۱) روی العباس بن عبد المطلب عن ابنه الفضل ان رسول الله ﷺ جمع بين الصلاتين بالمزدلفة

مثال: اس میں زیادہ یہ روایت آتی ہے: "عن بهز بن حكيم عن ابيه عن جدّه"۔ اس طریق سے کئی حدیثیں منقول ہیں۔

اہم نکتہ: ایسی سند میں ضمیروں کا مرجع ہمیشہ پہلا راوی ہوگا۔ جہاں بھی یہ عن ابیه عن جده والی سند آئے، ضمیروں کا مرجع پہلا راوی ہوگا جیسےبهز بن حكيم عن ابيه عن جده کا مطلب ہے کہ بہز اپنے والد "حکیم" سے اور وہ والد (حکیم)، بہز کے دادا سے روایت کرتے ہیں، مگر ایک سند مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ "عَنْ عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدّه" اس سند کے اندر جدّه میں "ہ" ضمیر کا مرجع خلافِ قیاس شعیب ہے نہ کہ عمرو، یعنی شعیب نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔

وَإِنِ اشْتَرَكَ اثنَانِ عَنْ شَيْخٍ، وَتَقَدَّمَ مَوْتُ أَحَدِهِما، فَهُوَ: السَّابِقُ وَاللاَّحِقُ.

وإِنْ رَوَى عَن اثْنَيْنِ مُتَّفِقِي الاسْمِ وَلَمْ يَتَمَيَّزَا، فَبِاخْتِصَاصِه بِأَحَدِهِمَا يَتَبَيَّنُ الْمُهْمَلُ.

وَإِنْ جَحَدَ مَرْوِيَّهُ جَزْماً: رُدَّ، أَوِ احْتِمَالاً: قُبِلَ، فِي الأَصَحِّ. وَفِيْهِ: "مَنْ حَدَّث وَنَسِيَ".

ترجمہ: اور اگر دو راوی کسی ایک ہی شیخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں اور ان میں سے ایک کی موت پہلے آجائے تو یہ (صورت) "سابق ولاحق" (کہلاتی) ہے۔

اور اگر کوئی راوی ایسے دو اساتذہ سے روایت کرے جن کے نام ایک جیسے ہوں اور وہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں (تو ایسے ہمنام وغیر ممتاز رواۃ "مہمل رُوات"

کہلاتے ہیں) چناں چہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ راوی کے اختصاص کی وجہ سے ”مہمل راوی“ کی وضاحت ہوجائے گی۔

اور اگر کوئی شیخ اپنی روایت کردہ حدیث کا یقین کے ساتھ انکار کردے تو وہ حدیث رد کردی جاتی ہے، یا اس کا احتمال کے ساتھ انکار کرے تو پھر اصح قول کے مطابق وہ قبول کرلی جاتی ہے۔ اور اس (قسم کے بارے) میں **”مَنْ حدّث ونسِیَ“** (نامی کتاب تصنیف کی گئی) ہے۔

تشریح:

سابق اور لاحق

ایسے دو راوی جو کسی شیخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں، مگر ان میں سے ایک کا انتقال پہلے ہوگیا ہو اور دوسرے کا بعد میں تو پہلے کو ”سابق“ اور دوسرے کو ”لاحق“ کہتے ہیں۔

مثالیں: (۱) امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے حدیثیں روایت کیں پھر ان میں سے امام ابو یوسفؒ کی وفات ۱۸۳ ہجری میں ہوئی جبکہ امام محمدؒ کی ۱۸۹ ہجری میں وفات ہوئی۔ لہٰذا امام ابو یوسفؒ ”سابق“ اور امام محمدؒ ”لاحق“ کہلائیں گے۔

(۲) امام بخاریؒ اور خفاف نیشاپوریؒ دونوں محمد بن اسحاق کے شاگرد ہیں امام بخاریؒ کی وفات ۲۵۶ ہجری کو ہوئی جبکہ خفافؒ کی وفات بعد میں ۳۹۳ ہجری میں ہوئی لہٰذا امام بخاریؒ کو ”سابق“ اور خفافؒ کو ”لاحق“ کہیں گے۔

سابق اور لاحق کی معرفت کا فائدہ:

فائدہ یہ ہے کہ لاحق سے عالی سند حاصل کی جاسکتی ہے، جیسے امام بخاریؒ کے انتقال کے بعد اگر کوئی امام بخاریؒ کے شاگرد سے روایت کرے گا تو سند نازل ہوگی، اگر وہی آدمی خفافؒ کا شاگرد بن جائے اور خفافؒ سے روایت کرے تو سند عالی ہوجائے گی۔

مہمل رُوات

"مہمل رواۃ" وہ (دو یا دو سے زائد) راوی ہیں جو متفق الاسم ہوں اور کوئی راوی ان دونوں سے روایت کرے، چنانچہ اب کوئی حدیث ایک راوی نے روایت کی، لیکن تمیز نہیں ہورہی کہ ان دونوں میں سے کس سے روایت کی ہے تو یہ راوی جو متفق الاسم ہیں مہمل ہوں گے اور مہمل وہاں ہوں گے جہاں ان دو راویوں میں سے ایک ثقہ اور دوسرا غیر معتبر ہو کیونکہ اگر ثقہ سے حدیث سنی ہوگی تو وہ معتبر اور اگر غیر معتبر سے حدیث سنی ہوگی تو وہ غیر معتبر ہوگی اور اگر وہ متفق الاسم راوی، دونوں ثقہ ہیں تو وہاں تمیز کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ دونوں کی حدیث معتبر ہے جیسے امام بخاریؒ کی روایت ہے عن احمد عن ابن وھب اب امام بخاریؒ، احمد بن صالح اور احمد بن عیسیٰ دونوں سے روایت کرتے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ اس حدیث میں کون سے "احمد" مراد ہیں لیکن یہ دونوں ثقہ ہیں لہٰذا امتیاز کی ضرورت نہیں۔

امتیاز کا طریقہ:

امتیاز کا طریقہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں گے کہ کیا روایت کرنے والے راوی کو ان دو راویوں (جو متفق الاسم ہیں) میں سے کسی کے ساتھ زیادہ خصوصیت ہے؟ یعنی یہ راوی باقاعدہ طور پر ان میں سے کسی ایک کا شاگرد ہو یا شاگرد تو دونوں کا ہو مگر اس راوی کو ان

دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ زیادہ خصوصیت حاصل ہو جیسے کسی ایک شیخ کے ساتھ زیادہ مصاحبت رہی ہو یا دونوں (یعنی راوی اور شیخ) کا شہر یا بستی ایک ہو۔ بہر حال جس کے ساتھ زیادہ خصوصیت ہوگی وہ متعین ہو جائے گا دوسرا مہمل ہو جائے گا اور اگر کسی طرح بھی اختصاص معلوم نہ ہو سکے اور دونوں شیوخ اس راوی کے حق میں مساوی ہوں تو پھر ان میں امتیاز و تعیین کیلئے قرائن مرجحہ اور ظن غالب سے کام لیا جائے گا۔

راوی کا روایت کردہ حدیث کا انکار

راوی اپنی کسی حدیث کا انکار کرے کہ میں نے یہ حدیث بیان نہیں کی، یہ انکار دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) جزماً انکار (۲) احتمالاً انکار

(۱) جزماً انکار:

جزماً انکار یہ ہے کہ راوی سے کوئی کہے کہ فلاں نے آپ کی طرف سے یہ حدیث روایت کی ہے، وہ راوی کہے کہ میں نے یہ حدیث بیان ہی نہیں کی۔ یہ جزماً انکار ہے اور یہ حدیث مردود ہوگی کیونکہ ان دونوں میں سے ایک یقینی طور پر جھوٹا ہے اور جھوٹے کی حدیث مردود ہوتی ہے۔

(۲) احتمالاً انکار:

احتمالاً انکار یہ ہے کہ راوی کو کسی نے کہا کہ فلاں نے آپ کی طرف سے یہ حدیث روایت کی ہے تو راوی کہے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے یہ حدیث بیان کی تھی یا نہیں۔ چناں چہ یہ حدیث اصح مذہب کے مطابق مقبول ہوگی۔

ان شیوخ کے متعلق امام دارقطنی نے کتاب لکھی، جس کا نام "من حدّث ونسی"

ہے۔ اس کتاب میں ایسے شیوخ کو جمع کیا جو حدیث بیان کر کے بھول گئے۔

وَإِنِ اتَّفَقَ الرُّوَاةُ فِي صِيَغِ الْأَدَاءِ أَوْ غَيْرِهَا مِنَ الْحَالَاتِ فَهُوَ الْمُسَلْسَلُ.

وَصِيَغُ الْأَدَاءِ:

1- سَمِعْتُ وَحَدَّثَنِي 2- ثُمَّ أَخْبَرَنِي، وَقَرَأْتُ عَلَيْهِ 3- ثُمَّ قُرِءَ عَلَيْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ 4- ثُمَّ أَنْبَأَنِي 5- ثُمَّ نَاوَلَنِي 6- ثُمَّ شَافَهَنِي 7- ثُمَّ كَتَبَ إِلَيَّ 8- ثُمَّ عَنْ، وَنَحْوُهَا.

فَالْأَوَّلَانِ: لِمَنْ سَمِعَ وَحْدَهُ مِنْ لَفْظِ الشَّيْخِ، فَإِنْ جَمَعَ فَمَعَ غَيْرِهِ. وَأَوَّلُهَا أَصْرَحُهَا. وَأَرْفَعُهَا فِي الْإِمْلَاءِ. وَالثَّالِثُ، وَالرَّابِعُ: لِمَنْ قَرَأَ بِنَفْسِهِ، فَإِنْ جَمَعَ: فَهُوَ كَالْخَامِسِ. وَالْإِنْبَاءُ: بِمَعْنَى الْإِخْبَارِ، إِلَّا فِي عُرْفِ الْمُتَأَخِّرِينَ فَهُوَ لِلْإِجَازَةِ كَعَنْ.

ترجمہ: اگر رُوات، حدیث بیان کرنے کے الفاظ یا اس کے علاوہ یعنی حدیث بیان کرنے کی حالتوں میں متفق ہو جائیں تو وہ "حدیثِ مسلسل" ہے۔

اور حدیث بیان کرنے کے الفاظ یہ ہیں:

سَمِعْتُ (میں نے خود سنا) اور حَدَّثَنِي (اس نے مجھ سے بیان کیا)، پھر أَخْبَرَنِي (اس نے مجھے بتایا) اور قَرَأْتُ عَلَيْهِ (میں نے اس کے سامنے پڑھا)، پھر قُرِءَ عَلَيْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ (اس کے سامنے پڑھی گئی اور میں سن رہا تھا) پھر أَنْبَأَنِي (اس نے مجھے خبر دی) پھر نَاوَلَنِي (اس نے مجھے کتابِ حدیث دی) پھر شَافَهَنِي (اس نے مجھے روبرو بیان کی) پھر كَتَبَ إِلَيَّ (اس نے میری طرف لکھ بھیجی) پھر عَنْ (فلاں

سے) اور اس جیسے دیگر الفاظ۔

پہلے دو لفظ (سَمِعْتُ اور حَدَّثَنِي) اس راوی کے لیے ہیں جو اکیلا (براہِ راست) شیخ کے بولے ہوئے لفظ سے سنے (یعنی خود شیخ کے منہ سے حدیث سنے)، پھر اگر وہ جمع کا صیغہ ذکر کرے (یعنی سَمِعْنَا یا حَدَّثَنَا کہے) تو وہ دوسرے کے ساتھ (مل کر سننا) ہے۔ اور سب سے پہلا لفظ (سَمِعْتُ)، (راوی کے سماع کو ثابت کرنے میں) سب سے زیادہ صریح ہے۔ تاہم الفاظِ اداء (کے تمام یعنی آٹھوں مراتب) کے اندر سب سے بلند مرتبہ لفظ، وہ ہوگا جو املاء میں واقع ہو۔ اور تیسرا اور چوتھا لفظ (أَخْبَرَنِي اور قَرَأْتُ عَلَيْهِ) اس راوی کے لیے ہیں جو شیخ کے سامنے خود پڑھے، پھر اگر وہ جمع کا صیغہ ذکر کرے (یعنی أَخْبَرَنَا اور قَرَأْنَا عَلَيْهِ کہے) تو وہ لفظِ پنجم (قُرِءَ عَلَيْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ) کے بمنزلہ ہے۔

اور "اِنباء"، "اِخبار" کے مگر معنی متاخرین ہے کے عرف میں "اِنباء"، "اجازۃ" کے لیے آتا ہے جیسا کہ عَنْ (متاخرین کے عرف میں "اجازۃ" کے لیے آتا ہے)۔

تشریح:

حدیث مسلسل

حدیثِ مسلسل وہ حدیث ہے جس کے سلسلۂ سند کے تمام راویوں کا ادائیگیٔ حدیث کے صیغوں میں یا ادائیگیٔ حدیث کی حالت میں اتفاق ہو جائے۔

حدیثِ مسلسل بصیغۃ الاداء:

وہ حدیث ہے جس کے سارے راوی ایک ہی صیغہ پر جمع ہو گئے یعنی تمام نے ایک

ہی صیغہ سے روایت کی۔

مثال: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی تو فرمایا "حدّثنی رسول اللہ" پھر حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد نے یہی فرمایا "حدثنی ابو ھریرۃ" پھر اس کے شاگرد نے بھی یہی فرمایا حتیٰ کہ مصنفِ کتاب تک سارے راویوں نے "حدثنی" کے صیغہ کے ساتھ روایت کی۔ اس حدیث کو کہیں گے جس میں سارے راوی "حدّثنی" کے صیغہ پر جمع ہو گئے "الحدیث المسلسل بالتحدیث" اسی طرح ادائیگی کے دوسرے صیغوں پر جمع ہو سکتے ہیں۔

حدیث مسلسل بحالۃ من الحالات:

وہ حدیث جس میں آپ علیہ السلام سے لیکر مصنف کتاب تک روایت کرنے کی حالت میں تسلسل پایا جائے۔ حالت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔

(۱) حدیث مسلسل بحالۃ قولیۃ وفعلیۃ (۲) حدیث مسلسل بحالۃ قولیۃ

(۳) حدیث مسلسل بحالۃ فعلیۃ

حدیث مسلسل بحالۃ قولیۃ وفعلیۃ کی مثال:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا یجد العبد حلاوۃ الایمان حتی یومن بالقدر خیرہ وشرّہ وحلوہ ومرّہٗ" کے بعد آپ نے اپنی ڈاڑھی پکڑی اور فرمایا "امنت بالقدر" ڈاڑھی پکڑنا حالتِ فعلی اور "امنت بالقدر" کہنا حالت قولی ہے۔

یہ حدیث روایت کرتے وقت ہر راوی نے اپنی ڈاڑھی پکڑی اور "امنت بالقدر" فرمایا۔

حدیث مسلسل بحالۃ قولیۃ کی مثال:

حضرت معاذؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انی احبك فقل فی دبر کل صلوٰۃ، اللھم اعنی علی ذکرك و شکرك وحسن عبادتك" حدیث کو روایت کرتے وقت ہر راوی اپنے شاگرد سے اس طرح کہا کرتا تھا کہ "انی احبك فقل.... الخ"، پھر حدیث بیان کرتا تھا۔

حدیث مسلسل بحالۃ فعلیۃ کی مثال:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں "شبّك بیدی ابو القاسم، وقال خلق الله الارض یوم السبت" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُنگلیاں میری اُنگلیوں میں داخل کر کے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے زمین ہفتہ کے دن پیدا فرمائی" اس حدیث کو ہر راوی اپنے شاگرد کی اُنگلیوں میں اپنی انگلیاں داخل کر کے بیان کرتا تھا۔

احادیث مسلسلہ بہت ہیں جیسے حدیث مسلسل بالضیافۃ علی الاسودین، مسلسل بالمصافحہ، مسلسل بالاوّلیت، مسلسل بیوم العید، مسلسل بیوم عاشوراء وغیرہ۔ ان میں اکثر غیر معتبر ہیں جیسے حدیث مسلسل بالضیافۃ علی الاسودین (جو اختصاراً مسلسل بالاسودین سے معروف ہے) کو موضوع کہا گیا ہے۔ تاہم حدیث مسلسل پر مستقل کتابیں موجود ہیں۔ جیسے "المسلسلات الکبری" للسیوطی اور "رسالۃ المسلسلات" للکتانی اور "مجموعۃ المسلسلات" للشاہ ولی اللہ دہلوی۔

صیغ الاداء

(حدیث شریف بیان کرنے کے لئے الفاظ)

وہ الفاظ جن کے ذریعے حدیث آگے پہنچائی جاتی ہے کئی ہیں۔ مصنفؒ نے ان کو آٹھ مراتب میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) سَمِعْتُ اور حَدَّثَنِی (۲) أَخْبَرَنِی اور قَرأتُ عَلَیه
(۳) قُرِئَ عَلَیه وأنا أسْمَع (۴) أَنْبَأَنِی (۵) نَاوَلَنِی
(۶) شَافَهَنِی (۷) كَتَبَ إِلَیَّ (۸) عَنْ

سَمِعْتُ اور حَدَّثَنِی:

جہاں ان دو الفاظ میں سے کوئی لفظ آئے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ راوی نے اُستاد کے منہ کے بولے ہوئے الفاظ کو اکیلا سُنا، کوئی اور ساتھ نہیں تھا۔ اور اگر جمع کے صیغے کے ساتھ کہے مثلاً سَمِعْنَا وَحَدَّثَنَا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سننے والا ایک نہیں تھا بلکہ زیادہ تھے۔

تنبیہ:

"سَمِعْتُ" صیغ الاداء میں سب سے زیادہ صریح ہے کیونکہ اس میں صراحتاً خود سننا ثابت ہے۔ أرفعُها فی الإملاء اس عبارت میں ارفعها مبتدا، اور فی الاملاء محل خبر میں واقع ہے۔ تقدیری عبارت سہل الفاظ میں یوں ہوگی۔ ارفعها مایقع فی الاملاء یعنی ان صیغِ ادا میں سے مرتبہ کے لحاظ سے سب سے بلند مرتبہ وہ صیغہ ہوگا جو املاء میں واقع ہو کیونکہ اس میں شیخ زبان سے بول بول کر تثبت و تیقظ کے ساتھ راوی

(شاگرد) کو لکھواتا ہے اور راوی اس کو دھیان سے سُن کر پھر لکھتا ہے لہٰذا اس صورت میں روایت کردہ حدیث کا ضبط بھی بخوبی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ املاء والا صیغہ، غیر املاء والے صیغہ سے مقام و مرتبہ میں کہیں زیادہ بلند ہوگا اگرچہ وہ غیرِ املاء والا صیغہ باقی تمام صیغ اداء سے سب سے زیادہ صریح ہی کیوں نہ ہو چنانچہ ان آٹھ مراتب میں سے مثلاً پہلے مرتبہ کے اندر دوسرے صیغہ کے بارے میں جب راوی اس صیغہ کو املاء کے اندر اس طرح کہے گا: "حدَّثنی الشیخُ املاءً" تو یہ اس کے قول "سَمعتُ الشیخَ" سے مرتبہ میں ارفع و اعلیٰ ہوگا اگرچہ فی نفسہ سمعتُ صیغہَ حدثنی سے اصرح ہے۔

اَخبَرَنی اور قرأتُ علیه

جب شیخ کے سامنے راوی نے خود حدیث پڑھی ہو تو اس وقت "اخبرنی" کہے گا، مثلاً شیخ نے کوئی حدیث روایت کی اور اس راوی نے وہی حدیث شیخ کے سامنے پڑھی، شیخ نے کوئی انکار نہیں کیا تو راوی جب اس کو ادا کرے گا یعنی آگے بیان کرے گا تو لفظِ "اخبرنی" کہے گا۔ یہ اصطلاحی لفظ ہے کیونکہ شیخ نے خبر نہیں دی بلکہ اس راوی نے خود پڑھا ہے۔ اور "قرأتُ علیہ" کا بھی یہی مطلب ہے۔

اگر جمع کے صیغے کے ساتھ کہا۔ مثلاً "اَخبَرَنَا"، "قَرَأْنَا عَلَیْهِ" تو مطلب یہ ہوگا کہ سننے والے زیادہ تھے کم از کم یہ دو آدمی تو تھے۔

قُرِئَ عَلَیْهِ وَاَنَا اَسمَعُ

اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کے سامنے اس کی روایت کردہ حدیث پڑھی گئی اور میں سُن رہا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ شیخ سے سننے والے ایک سے زیادہ تھے، کم از کم دو تو موجود تھے۔

أَنْبَأَنِی:

أنبأنی کا مطلب بھی وہی ہے جو "اخبرنی" کا یعنی أنبأنی، اخبرنی کے ہم معنی ہے لہٰذا اخبرنی کی جگہ پر أنبأنی اور اخبَرَنا کی جگہ پر انبَأَنا استعمال کرسکتے ہیں۔ مگر متاخرین کے نزدیک انبأنی اجازت کیلئے آتا ہے۔ اجازت کا مطلب ہے: "شیخ اپنی سند سے کسی کو روایت کرنے کی اجازت دے دے خواہ اُس شیخ (مُجیز) سے اس اجازت یابندہ (مُجازلہ) نے وہ حدیث (مُجازبہ) سنی ہو یا نہ سنی ہو"۔

مثلاً ابن ماجہ کے سامنے کسی نے حدیث پڑھی، پھر ابن ماجہ نے فرمایا کہ میری یہ حدیث آگے روایت کرسکتے ہو، میں آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ لہٰذا وہ راوی آئندہ یہ حدیث ابن ماجہؒ کی سند سے بیان کرسکتا ہے۔ وہ راوی کہے گا کہ ابن ماجہ نے مجھ کو یہ حدیث بیان کی، آگے کہے گا اِجازۃً۔

شیخ زبان سے کہہ سکتا ہے کہ "اجازت ہے"۔ اسی طرح لکھی ہوئی بھی دے سکتا ہے کہ میری سند سے روایت کرسکتے ہو۔ لہٰذا اگر کوئی راوی انبأنی کہے تو متاخرین کے نزدیک مطلب یہ ہوگا کہ شیخ نے آگے بیان کرنے کی اجازت دی ہے۔ بہرحال "اِنْبَاء" "عرفِ متاخرین میں اجازت کیلئے ہوتا ہے جیسے "" متاخرین کے نزدیک اجازت کیلئے ہوتا ہے۔

وَعَنْعَنَةُ الْمُعَاصِرِ مَحْمُولَةٌ عَلَى السَّمَاعِ إلاَّ مِنَ الْمُدَلِّسِ. وَقِيلَ: يُشْتَرَطُ ثُبُوتُ لِقَاءِهِمَا وَلَوْ مَرَّةً، وَهُوَ الْمُخْتَارُ.

وَأَطْلَقُوا الْمُشَافَهَةَ فِي الإِجَازَةِ الْمُتَلَفَّظِ بِهَا، وَالْمُكَاتَبَةَ فِي الإِجَازَةِ

الْمَكْتُوبِ بِهَا، وَاشْتَرَطُوا فِي صِحَّةِ الْمُنَاوَلَةِ اقْتِرَانَهَا بِالْإِذْنِ بِالرِّوَايَةِ، وَهِيَ أَرْفَعُ أَنْوَاعِ الْإِجَازَةِ.

وَكَذَا اشْتَرَطُوا الْإِذْنَ فِي الْوِجَادَةِ، وَالْوَصِيَّةِ بِالْكِتَابِ، وَفِي الْإِعْلَامِ، وَإِلَّا فَلَا عِبْرَةَ بِذَلِكَ، كَالْإِجَازَةِ الْعَامَّةِ، وَلِلْمَجْهُولِ وَلِلْمَعْدُومِ، عَلَى الْأَصَحِّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ.

ترجمہ: ہم عصر کا ’’عنعنہ (لفظِ عَنْ سے روایت کرنا)‘‘ سماع پر محمول ہے سوائے مدلِّس کے (کہ اس کا عنعنہ سماع پر محمول پر نہیں ہے)۔ ایک قول یہ ہے کہ (ہم عصر کے عنعنہ کو سماع پر محمول کرنے میں) یہ بات بھی شرط ہے کہ شیخ اور اس سے روایت کرنے والے کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہوا گرچہ ایک ہی مرتبہ ہو اور یہی قول مختار ہے۔

محدثین نے زبانی (یعنی زبان سے بول کر) دی گئی اجازت کے بارے میں ’’مشافہہ (یعنی شافهنی کا لفظ)‘‘، (مجازاً) استعمال کیا ہے اور (اسی طرح) لکھ کر دی گئی اجازت کے بارے میں ’’مکاتبہ (یعنی کتب إلیَّ کا لفظ)‘‘، (مجازاً) استعمال کیا ہے۔ اور مناولہ کے (ذریعہ روایت کرنے کے) صحیح ہونے کے لیے محدثین نے اس بات کی شرط لگائی ہے کہ ’’مناولہ (یعنی کتاب کا دینا)‘‘، (اس کتاب سے آگے) روایت کرنے کی اجازت دینے کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ اور یہ (مناولہ) ’’اجازۃ‘‘ کی تمام اقسام پر بلند ہے۔ اسی طرح ’’وِجادہ‘‘، ’’وصیت بالکتاب‘‘ اور ’’اِعلام‘‘ کے اندر بھی (آگے روایت کرنے کی) اجازت دینے کی شر
لگائی ہے۔ ورنہ (یعنی اور اگر اجازت دینا نہ پایا جائے) تو پھر اس (اعلام وغیرہ) کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ اجازتِ عامہ، اجازت برائے شخصِ مجہول اور اجازت برائے شخصِ معدوم (غیر معتبر ہے۔ یہ عدمِ اعتبار کا حکم) اصح قول کے مطابق اجازت کی ان تینوں قسموں کے بارے میں (ہے)۔

تشریح:

حدیثِ مُعَنعَن

حدیث مُعَنْعَن وہ ہے جس کی سند میں "عن" آجائے۔ اس حدیث کو "مُعَنعَن" کہتے اور بیان کرنے والے کو "مُعَنعِن" کہتے ہیں اور "عن" کے ذریعے حدیث بیان کرنے کو "عنعنہ" کہتے ہیں۔

اب یہ "عنعنہ سماع پر محمول ہوگا یا نہیں، مثلاً میں نے کہا: رُوِیْتُ ھٰذا الحدیث عن خالد، اب اس کا مطلب کیا ہے کہ میں نے یہ حدیث خالد سے سنی ہے یا نہیں؟ محدثین کیا مراد لیتے ہیں، سماع پر محمول کرتے ہیں یا نہیں۔

اس بات کو مصنفؒ نے بیان کیا کہ عنعنہ کو سماع پر محمول کرنے کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) راوی اور مروی عنہ دونوں ہم عصر ہوں (۲) راوی مدلّس نہ ہو

یہ شرطیں پائی گئیں تو ہم یہ سمجھیں گے کہ راوی نے مروی عنہ سے سنا ہے۔ البتہ امام بخاریؒ نے تیسری شرط بھی لگائی ہے کہ راوی اور مروی عنہ کی ملاقات کا ہونا بھی ضروری ہے، اگرچہ ایک مرتبہ ہو۔ اس تیسری شرط کی وجہ سے امام بخاریؒ کی کتاب "بخاری شریف" کا درجہ "مسلم شریف" سے زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ شرط صرف امام بخاری وغیرہ بعض محدثین کا مذہب مختار ہے ورنہ جمہور کے قولِ مختار میں یہ شرط نہیں لگائی جائے گی۔

واطلقو المشافهة فی الاجازة الملفظ بها ...... وللمعدوم علی الاصح فی جمیع ذٰلك

”طرقِ تحمل“ یعنی ”تحصیل حدیث کے طریقوں“ کا بیان

تحصیل حدیث کے کچھ تو طریقے مشہور ہیں۔ مثلاً شیخ نے راوی کو حدیث سنائی یا راوی نے شیخ کے سامنے حدیث پڑھی۔ یہ مشہور طریقے ہیں۔ کچھ اور طریقے بھی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

اجازت:

یعنی شیخ کسی کو اپنی سند سے حدیث بیان کرنے کی اجازت دے۔

پھر انواعِ اجازت کے اعتبار سے، ”اجازت“ کی جگہ پر استعمال ہونے والی دو اصطلاحات ہیں:

(١) مشافہہ (٢) مکاتبہ

(١) مشافہہ:

”مشافہہ“ وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں شیخ اپنی زبان سے کسی کو اپنی سند سے بیان کرنے کی اجازت دے اور یہ کہے کہ آئندہ میری سند سے تمہیں حدیث بیان کرنے کی اجازت ہے۔

(٢) مکاتبہ:

متاخرین کے نزدیک ”مکاتبہ“ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں شیخ کسی راوی کو اپنی سند سے کوئی روایت بیان کرنے کی تحریری اجازت دے دے، چاہے حدیث لکھ کر دے یا نہ دے۔ جبکہ متقدمین کے نزدیک مکاتبہ کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں شیخ حدیث لکھ کر

راوی (شاگرد) تک پہنچادے، خواہ روایت کی اجازت دے یا نہ دے۔(۱)

مُناولہ:

وہ یہ ہے کہ شیخ اپنی اصل کتاب(۲) کتاب کا مطلب یہ ہے کہ شیخ نے محدثین سے جو حدیثیں سنی ہوتی ہیں وہ اس نے اپنی کتاب میں لکھی ہوتی ہیں، اس کو کہتے ہیں: ''شیخ کی اپنی کتاب''))) یا اس کی نقل تلمیذ کو دے یا تلمیذ شیخ کی کتاب نقل کر کے شیخ کے روبرو پیش کرے، دونوں صورتوں میں شیخ یوں کہے کہ ''میں اس کتاب کو فلاں سے روایت کرتا ہوں اور تمھیں اپنی سند سے اس کو روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں''۔ اس میں اجازت کا ہونا ضروری ہے۔

اب اگر کسی شیخ نے اپنے تلمیذ کو کتاب تو دی لیکن روایت کرنے کی اجازت نہیں دی تو وہ کتاب میں مذکورہ احادیث آگے بیان نہیں کرسکتا کیونکہ یہ محض مناولہ ہے، اور چونکہ روایت کی اجازت نہیں دی اس لیے وہ (تلمیذ) اجازت کے بغیر جو روایت کرے گا وہ غیر معتبر ہوگی کیونکہ ''مناولہ'' سے روایت کرنا تب صحیح ہوگا جب مناولہ کے ساتھ ساتھ

---

(۱) انتباہ:

یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ اجازتِ متلفّظ بہا (یعنی زبان دی گئی اجازت) کے بارے میں ''مشافہہ'' کا اطلاق واستعمال مجازاً ہوا ہے کیونکہ ''مشافہہ'' نام ہے: منہ در منہ بات کرنے کا (یعنی حقیقی مشافہہ یہ ہے کہ منہ در منہ اجازت دی جائے یعنی شاگرد کو حدیث سنا کے یا شاگرد سے حدیث پڑھوا کے اجازت دی جائے)؛ جبکہ ''اجازۃ'' نام ہے: روایت کرنے کی لفظاً یا تحریراً اجازت دے دینے کا۔ اور یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس لئے محدثین نے ''اجازتِ متلفظ بہا'' کے بارے میں ''مشافہہ'' کا لفظ مجازاً استعمال کیا ہے۔ اسی طرح ''مکاتبہ'' کا استعمال ''اجازتِ مکتوب بہا'' کے بارے میں مجازاً ہوا ہے کیونکہ ''مکاتبہ'' نام ہے اس بات کا کہ: شیخ، طالب کو حدیث لکھ کر دے؛ خواہ اسے روایت کرنے کی اجازت دے یا نہ دے۔ جبکہ ''اجازۃ مکتوب بہا'' نام ہے اس بات کا کہ: شیخ کسی طالب کو حدیث لکھ کر دیئے بغیر، اپنی روایت کردہ حدیث کو آگے روایت کرنے کی فقط تحریری اجازت دے دے۔ اسی لئے محدثین ''مکاتبہ'' کا استعمال ''اجازۃ مکتوبۃ'' کی جگہ پر مجازاً کرتے ہیں (حاشیہ نزھۃ)

حاصل کلام یہ ہے کہ ''اجازت ملفوظ'' کی جگہ محدثین مجازاً ''مشافہہ'' (یعنی مادۂ اجازت سے مشتق صیغہ کے بجائے مادۂ مشافہہ کا صیغہ ''شَافَهَنِی'') استعمال کرتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح ''اجازتِ مکتوبہ'' کی جگہ ''مکاتبہ'' استعمال کرتے ہیں۔

آگے روایت کرنے کی اجازت بھی ہو۔

ف: مناولہ اجازت کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔

وِجادہ:

یہ بھی تحصیل حدیث کی صورت ہے۔ ”وجادہ“ یہ ہے کہ راوی کو لکھی ہوئی کوئی حدیث مل جائے۔ مثلاً کسی راوی کو کسی شیخ کی کوئی لکھی ہوئی حدیث مل گئی۔ وہ راوی پہچان گیا کہ یہ حدیث فلاں شیخ کی ہے، لکھائی کے ذریعے پہچان گیا یا نیچے شیخ کے دستخط وغیرہ تھے۔ اب اگر شیخ نے اس روایت کی راوی کو اجازت دی ہے تو وہ راوی ''اخبرني یا انباني'' وغیرہ صیغوں کے ذریعے آگے روایت کرسکتا ہے، اور اگر شیخ نے اجازت نہیں دی تو عدمِ اجازت کی وجہ سے ''اخبرني یا انباني'' وغیرہ صیغوں سے روایت نہیں کرسکتا، بلکہ روایت کرتے وقت یوں کہے گا: ''وَجدتُ بخطِّ فلانٍ''

وصیت بالکتاب:

تلمیذ کو اگر حدیث ”وصیت بالکتاب“ کے ذریعے حاصل ہوئی تو اس میں اِذن (اجازت) ضروری ہے۔ اگر تلمیذ کو کوئی حدیث وصیت بالکتاب کے ذریعے حاصل ہوئی، لیکن اذن نہیں، تو آگے اس حدیث کو بیان نہیں کرسکتا اور اگر بغیر اذن کے بیان کر دی تو معتبر نہیں ہوگی۔ ”وصیت بالکتاب“ یہ ہے کہ کوئی شیخ موت کے وقت یا سفر میں جاتے ہوئے یہ وصیت کرے کہ میری فلاں کتابِ حدیث، فلاں شخصِ معیّن کو دے دی جائے۔ کتابِ حدیث اور شخص دونوں کا متعین کرنا ضروری ہے۔

اِعلام (اطلاع دینا، آگاہ کرنا):

اِعلام یہ ہے کہ کوئی شیخ اپنے تلمیذ کو یہ اطلاع دے کہ میں اپنی فلاں کتابِ حدیث،

فلاں شیخ سے روایت کرتا ہوں، یہ اطلاع دینا ''اعلام'' ہے۔ اب اس تلمیذ نے اس کتاب سے کوئی حدیث یاد کرلی تو آگے نقل کرنے کے لئے اجازت ضروری ہے، جیسے شیخ یہ کہے کہ ''میں روایت کی اجازت دیتا ہوں''۔ الحاصل اجازت کے بغیر نقل کرنا غیر معتبر ہے۔

اجازتِ غیر معتبر کی اقسام:

اجازتِ غیر معتبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اجازت عامہ (۲) اجازت للمجہول (۳) اجازت للمعدوم

(۱) اجازت عامہ:

اجازت عامہ یہ ہے کہ ''شیخ یہ کہہ دے کہ میں اپنی سند سے روایت کرنے کی فلاں جماعت کو یا تمام مسلمانوں کو اجازت دیتا ہوں'' یہ اجازت عامہ ہے جو کہ غیر معتبر ہے۔

(۲) اجازت للمجہول:

اجازت للمجہول یہ ہے کہ ''شیخ کسی نامعلوم شخص کو روایت کی اجازت دے، مثلاً یہ کہے کہ میں نے ثقہ کو روایت کی اجازت دی'' یہ اجازت غیر معتبر ہے۔ لہٰذا کسی ثقہ کو روایت کی اجازت نہ ہوگی۔

(۳) اجازت للمعدوم:

اجازت للمعدوم یہ ہے کہ ''شیخ کسی غیر موجود شخص کو روایت کرنے کی اجازت دے، مثلاً کہے کہ جو میرا بچّہ، میری اہلیہ کے پیٹ میں ہے اُس کو یا فلاں جنین (بچہ) کو روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں''۔ یہ اجازت غیر معتبر ہے۔ لہٰذا پیدائش کے بعد اُسے

روایت کی اجازت نہیں ہوگی۔

ثُمَّ الرُّوَاةُ: إِنِ اتَّفَقَتْ أَسْمَاؤُهُمْ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ فَصَاعِداً، وَاخْتَلَفَتْ أَشْخَاصُهُمْ: فَهُوَ الْمُتَّفِقُ وَالْمُفْتَرِقُ، وَإِنِ اتَّفَقَتِ الْأَسْمَاءُ خَطّاً وَاخْتَلَفَتْ نُطْقاً: فَهُوَ الْمُؤْتَلِفُ وَالْمُخْتَلِفُ.

وَإِنِ اتَّفَقَتِ الْأَسْمَاءُ وَاخْتَلَفَتِ الْآبَاءُ، أَوْ بِالْعَكْسِ: فَهُوَ الْمُتَشَابِهُ، وَكَذَا إِنْ وَقَعَ الاتفَاقُ فى الاسْمِ واسْمِ الأَبِ، والاخْتِلَافُ فِي النِّسْبَةِ، وَيَتَرَكَّبُ مِنْهُ وَمِمَّا قَبْلَهُ أَنْوَاعٌ: مِنْها أَنْ يَحْصُلَ الاتِّفَاقُ أَوْ الاشْتِبَاهُ إلاَّ فِي حَرْفٍ أَوْ حَرْفَيْنِ. أَوْ بِالتَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ.

ترجمہ: پھر روات کے اگر اپنے نام اور ان کے آباء کے نام اور اوپر (دادا وغیرہ کے نام تک) متفق ہوں اور ان کی ذاتیں مختلف ہوں تو (راویوں کی) یہ قسم ــ"متفِق ومفترِق"ــ (کہلاتی) ہے۔ اور اگر راویوں کے نام لکھنے میں متفق ہوں اور بولنے میں مختلف ہوں تو یہ قسم ــ"مؤتلف ومختلِف"ــ (کہلاتی) ہے۔ اور اگر روات کے اپنے نام متفق ہوں اور آباء کے نام مختلف ہوں یا اس کے برعکس ہو تو یہ قسم ــ"متشابہ"ــ (کہلاتی) ہے۔ اسی طرح (یہ بھی متشابہ کی قسم میں شامل ہے کہ) اگر راوی کے نام اور باپ کے نام میں اتفاق ہو اور ان کی نسبت میں اختلاف ہو۔ نیز ــ"متشابہ"ــ اور اس سے ماقبل قسم (ــ"مؤتلِف ومختلِف"ــ) سے مل کر کچھ اور انواع حاصل ہوتی ہیں۔ ان انواع میں سے ایک یہ ہے کہ اتفاق یا اشتباہ پایا جائے مگر کسی ایک حرف یا دو حروف میں (نہ پایا جائے)، یا تقدیم وتاخیر کی وجہ سے یا اسی طرح کی کسی اور وجہ سے (اشتباہ پایا جائے)۔

تشریح:

اتفاقِ اسماء کے اعتبار سے رُواۃ کی اقسام

اتفاق اسماء کے اعتبار سے رواۃ کی تین اقسام ہیں:

(۱) المتفِق والمفترِق (۲) المؤتلِف والمختلِف (۳) المتشابِہ

المتفِق والمفترِق:

وہ راوی ہیں جن کے اپنے نام اور اُن کے آباء کے نام متفق ہوں یا اُس کے اوپر یعنی دادا کا نام بھی متفق ہو لیکن اُن کی ذاتیں مختلف ہوں۔

مثالیں: (۱) ''خلیل بن احمد'' نامی چھ راوی ہیں۔ یہ وہ مثال ہے جن میں راویوں اور اُن کے آباء کے نام متفق ہیں۔

(۲) ''احمد بن جعفر بن حمدان'' یہ وہ مثال ہے جس میں راویوں اور اُن کے آباء اور دادا کے نام بھی متفق ہیں۔ اس نام کے چار راوی ہیں۔

ان راویوں کے بارے میں مشہور تصنیف ''المتفق والمفترق'' ہے جو کہ خطیب بغدادیؒ کی ہے۔

المؤتلِف والمختلِف:

وہ راوی جن کے نام لکھنے میں تو یکساں یعنی ایک جیسے ہیں لیکن پڑھنے میں مختلف ہیں۔

مثالیں: سَلَام اور سَلّام ، مِسْوَر اور مُسَوِّر

یہ لکھنے میں تو ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں لیکن پڑھنے میں مختلف ہیں۔ ان راویوں

کے بارے میں مشہور تصنیف ''الِا کمال'' ہے جو ''ابن ماکولا'' کی ہے۔

المتشابہ:

وہ راوی جن کے اپنے نام تو متفق ہوں، لیکن آباء کے نام تلفظ میں مختلف اور تحریر میں ایک جیسے ہوں۔

مثال: ''محمد بن عَقِیل'' اور ''محمد بن عُقَیل''

یا ان راویوں کے اپنے نام تلفظ میں مختلف ہوں اور تحریر میں ایک جیسے لگتے ہوں مگر آباء کے نام تلفظ و تحریر ہر دو میں متفق ہوں۔

مثال: شُرَیح بن النعمان اور سُرَیج بن النعمان

یا رُوات اور آباء، دونوں کے نام متفق ہوں مگر نسبت مختلف ہو۔

مثال: محمد بن عبداللہ مُخَرِّمی اور محمد بن عبداللہ مَخَرَمی

مزید اقسام:

متشابہ اور اس کے ماقبل (یعنی الموتلف والمختلف) سے مل کر مزید کئی قسمیں بنتی ہیں:

۱۔ راویوں اور آباء کے نام میں اتفاق و اشتباہ ہو مگر ایک یا دو حرف میں اتفاق و اشتباہ نہ ہو۔

مثال: احمد بن حسین اور احید بن حسین

یہ مثال ہے جس میں اتفاق تو ہے مگر ایک حرف میں اتفاق نہیں ہے۔

مثال: محمد بن سِنان اور محمد بن یَسار

یہ وہ مثال ہے جس میں اتفاق تو ہے مگر دو حرف میں نہیں ہے۔

۲۔ راویوں کے نام تو متفق ہوں مگر تقدیم وتاخیر کی وجہ سے اشتباہ اور اختلاف ہو۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) دونوں ناموں میں ایک ساتھ تقدیم وتاخیر ہوگی۔

مثال: اَسْوَد بن یزید اور یزید بن اسود

(ب) یا بعض حروف میں تقدیم وتاخیر ہوگی۔

مثال: ایوب بن سَیَّار اور ایوب بن یَسار

خَاتِمَةٌ (خاتمہ)

وَمِنَ الْمُهِمِّ: مَعْرِفَةُ طَبَقَاتِ الرُّوَاةِ وَمَوَالِيْدِهِمْ، وَوَفِيَّاتِهِمْ، وبُلْدَانِهِمْ، وأَحْوَالِهِمْ: تَعْدِيْلاً وَتَجْرِيْحاً وَجَهَالَةً.

ترجمہ: امورِ مہمہ میں سے ہے: راویوں کے طبقات، ان کی تاریخِ ولادت، ان کی تاریخ وفات، ان کے شہر اور تعدیل (معتبر ہونا)، جرح (غیر معتبر ہونا) اور مجہول ہونے کے اعتبار سے ان کے حالات کا پہچاننا۔

تشریح:

امور مہمہ

وہ امور جن کا جاننا اصولِ حدیث میں ضروری ہے، خاتمہ انہی امور کے بارے میں ہے۔

معرفة طبقات الرُّواة (راویوں کے طبقات کا جاننا):

راویوں کے طبقات کی پہچان ضروری ہے کہ فلاں راوی کس طبقہ سے ہے۔

طبقہ: طبقہ راویوں کی ایسی جماعت کو کہتے ہیں ''جو عمر میں یا اُساتذہ سے پڑھنے میں شریک ہوں''۔ (نزھۃ)

طبقوں کی تقسیم مختلف محدثین نے مختلف انداز میں کی ہے۔ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ''تقریب التہذیب'' میں محدثین کو بارہ (۱۲) طبقوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلا اور دوسرا طبقہ ''پہلی صدی'' سے متعلقہ ہے۔ تیسرے سے لے کر آٹھویں طبقہ تک یہ ''دوسری صدی'' سے متعلقہ ہے۔ اور نویں سے بارہویں طبقہ تک یہ ''تیسری صدی'' سے متعلقہ ہے۔

معرفۃ موالیدھم ووَفِیّاتھم (راویوں کی تاریخ پیدائش اور وفات کا جاننا):

اہم امور میں سے دوسری چیز یہ ہے کہ ''راویوں کی تاریخ پیدائش اور وفات کا علم ہو''۔

معرفۃ بُلدانھم (راویوں کے وطن کا جاننا):

تیسری اہم چیز یہ ہے کہ ''راویوں کے شہر و وطن کا علم ہو کہ راوی کس علاقہ سے تعلق رکھتا ہے؟: کوفی ہے 'بغدادی ہے 'نیشاپوری ہے وغیرہ''

معرفۃ احوالھم (راویوں کے احوال جاننا):

امورِ مہمہ میں چوتھا امر یہ ہے کہ راویوں کے حالات معلوم ہوں کہ کون ثقہ ہے؟ کون مجروح ہے؟ اور کون مجہول ہے؟ وغیرہ۔ لہٰذا راوی کی حالت کا علم بھی ضروری ہے کہ راوی کیسا ہے؟۔

وَمَرَاتِبُ الْجَرْحِ: وَأَسْوَؤُهَا الْوَصْفُ بِأَفْعَلَ، كَأَكْذَبِ النَّاسِ، ثُمَّ

دَجَّالٍ، أَوْ وَضَّاعٍ، أَوْ كَذَّابٍ. وَأَسْهَلُهَا: لَيِّنٌ، أَوْ سَيِّئُ الْحِفْظِ، أَوْ فِيهِ مَقَالٌ.

وَمَرَاتِبُ التَّعْدِيلِ: وَأَرْفَعُهَا الْوَصْفُ بِأَفْعَلَ: كَأَوْثَقِ النَّاسِ، ثُمَّ مَا تَأَكَّدَ بِصِفَةٍ أَوْ صِفَتَيْنِ كَثِقَةٍ ثِقَةٍ، أَوْ ثِقَةٍ حَافِظٍ وَأَدْنَاهَا مَا أَشْعَرَ بِالْقُرْبِ مِنْ أَسْهَلِ التَّجْرِيحِ: كَشَيْخٍ.

ترجمہ: نیز (امورِ مہمہ میں سے ہے) جرح کے مراتب پہچاننا: جرح کا بدترین مرتبہ (راوی کو) أَفْعَل (صیغۂ اسم تفضیل) کے ساتھ موصوف کرنا ہے، جیسے أَكْذَبُ النَّاسِ، پھر دَجَّال، یا وَضَّاع، یا كَذَّاب (کہنا)۔ اور جرح کا سب سے نرم (وہلکا) مرتبہ (راوی کے بارے میں) لَيِّنٌ، یا سَيِّئُ الْحِفْظِ یا فِيهِ مَقَالٌ (کہنا)۔

نیز تعدیل کے مراتب پہچاننا: تعدیل کا اعلیٰ مرتبہ (راوی کو) أَفْعَل (صیغۂ اسم تفضیل) کے ساتھ موصوف کرنا ہے، جیسے أَوْثَقُ النَّاسِ پھر (اس لفظ کا مرتبہ ہے) جو (صفاتِ تعدیل میں سے) ایک صفت یا دو صفات سے مؤکد ہو جیسے ثِقَةٌ ثِقَةٌ، یا ثِقَةٌ حَافِظٌ اور تعدیل کا ادنی مرتبہ وہ ہے جو جرح کے سب سے نرم (وادنی) لفظ سے قرب کی خبر دے جیسے شَيْخٌ

تشریح:

معرفة مراتب الجرح (جرح کے مراتب جاننا)

جرح کے مراتب کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ کوئی جرح بہت بھاری ہوتی ہے۔ مثلاً راوی کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس پر جرح بھاری ہوگی۔ اور کوئی جرح ہلکی ہوتی ہے مثلاً راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں ہے تو اس پر جرح ہلکی ہوگی۔

جرح کا اعلیٰ درجہ:

بدترین جرح یہ ہے کہ جرح وتعدیل کرنے والے وہ ائمہ، جن کی جرح وتعدیل مقبول ہے، اُن میں سے کوئی امام کسی راوی کے متعلق اسم تفضیل استعمال کرے۔ جیسے اکذب الناس"

جرح کا متوسط درجہ:

یہ ہے کہ جرح وتعدیل کرنیوالوں میں سے کوئی کسی راوی کے متعلق دجّال یا وضّاع یا کذّاب وغیرہ کا لفظ استعمال کرے۔

جرح کا معمولی درجہ:

یہ ہے کہ جرح وتعدیل کرنے والا، راوی کے متعلق "سئ الحفظ" یا "لیّن" یا "فیہ مقال" وغیرہ کا لفظ استعمال کرے۔

معرفة مراتب التعديل (تعدیل کے مراتب جاننا):

تعدیل کے مراتب کا جاننا بھی ضروری ہے۔

تعدیل کا اعلیٰ مرتبہ:

یہ ہے کہ تعدیل کرنے والا، کسی راوی کے متعلق اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کرے۔

جیسے اوثق الناس

تعدیل کا متوسط درجہ:

متوسط تعدیل وہ ہے "جو ایک صفت یا دو صفتوں کے ساتھ مؤکد ہو"۔ جیسے فلانٌ ثقةٌ ثقةٌ یا فلانٌ ثقةٌ حافظٌ

تعدیل کا معمولی درجہ:

یہ ہے کہ ”راوی کا جرح کے ادنیٰ مرتبہ سے قریب ہونا معلوم ہو“۔ **جیسے فلانٌ شیخٌ**

وَتُقْبَلُ التَّزْكِيَةُ مِنْ عَارِفٍ بِأَسْبَابِهَا، وَلَوْ مِنْ وَاحِدٍ عَلَى الْأَصَحِّ.

وَالْجَرْحُ مُقَدَّمٌ عَلَى التَّعْدِيْلِ إِنْ صَدَرَ مُبَيَّنًا مِنْ عَارِفٍ بِأَسْبَابِهِ، فَإِنْ خَلَا عَنِ التَّعْدِيْلِ قُبِلَ مُجْمَلًا عَلَى الْمُخْتَارِ.

ترجمہ: اور کسی راوی کا تزکیہ کرنا (یعنی راوی کی تعدیل کرنا) اس شخص کی طرف سے قابل قبول ہوگا جو تزکیہ کرنے کے اسباب بھی جانتا ہو، اگرچہ یہ تزکیہ ایک ہی شخص کی طرف سے (کیا گیا) ہو (پھر بھی) اصح قول کے مطابق (مقبول ہوگا)۔

اور جرح، تعدیل پر مقدم ہے بشرطیکہ یہ جرح، مبیَّن (یعنی مفسَّر واقع ہوئی ہو، نیز یہ جرح) اسبابِ جرح کے جاننے والے سے واقع ہوئی ہو۔ اور اگر (راویٔ مجروح) تعدیل سے خالی ہو تو قولِ مختار کے موافق پھر جرح، مجمل (یعنی غیر مفسر) ہونے کی حالت میں بھی مقبول ہوگی۔

تشریح:

تعدیل معتبر: تعدیل اس آدمی کی معتبر ہوگی جو جرح وتعدیل کے اسباب بھی جانتا ہو کہ کس راوی کے بارے میں ثقہ کہا جاتا ہے؟ کس کے بارے میں صدوق کہا جاتا ہے؟ کس کے بارے میں ھو ثقة حافظ کہا جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان سب باتوں کو جانتا ہوگا تو اس کا تزکیہ (تعدیل) معتبر ہوگا۔ چاہے تزکیہ کرنے والا ایک ہی ہو، تب بھی تزکیہ معتبر ہوگا، صحیح مذہب یہی ہے۔ بعضوں نے یہ شرط لگائی ہے

کہ مُزَکِّی (یعنی تزکیہ وتعدیل کرنے والے) کم از کم دو ہوں، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

جرح مبیَّن، تعدیل پر مقدم:

اگر کسی راوی کے بارے میں جرح پائی جائے اور اسی راوی کی تعدیل بھی کی گئی ہو تو جرح مقدم ہوگی دو شرائط کے ساتھ:

(۱) جرح مبیَّن (یعنی مُفسَّر) ہو، مبہم نہ ہو

(۲) جرح کے اسباب جاننے والے سے یہ جرح صادر ہوئی ہو

(۱) جرح مبیَّن (مُفسَّر):

جرح مفسر یہ ہے کہ جرح کے ساتھ وجہ بھی بیان کی گئی ہو کہ جرح کیوں کی گئی ہے اس کو جرح مفسَّر کہتے ہیں۔

(۲) جرح مبہم:

یہ ہے کہ جس میں جرح کی وجہ نہ بتائی گئی ہو۔

جرح مبہم (غیر مبیَّن) کب مقبول ہوگی؟ تو اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر مجروح راوی کی تعدیل منقول نہ ہو، صرف اس کی جرح کی گئی ہو تو اس صورت میں جرح مبہم بھی مقبول ہوگی۔

مذہب احناف:

احناف کے نزدیک جرحِ مبہم غیر مقبول ہے (دراسات اور الرفع والتکمیل)

وَمِنَ الْمُهِمِّ مَعْرِفَةُ كُنَى الْمُسَمَّيْنَ، وَأَسْمَاءِ الْمُكَنَّيْنَ، وَمَنِ اسْمُهُ كُنْيَتُهُ، وَمَنِ اخْتُلِفَ فِي كُنْيَتِهِ، وَمَنْ كَثُرَتْ كُنَاهُ أَوْ نُعُوتُهُ، وَمَنْ وَافَقَتْ كُنْيَتُهُ اسْمَ أَبِيهِ أَوْ بِالْعَكْسِ أَوْ كُنْيَتُهُ

كُنْيَةَ زَوْجَتِهِ، وَمَنْ نُسِبَ إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ إِلَى أُمِّهِ، أَوْ إِلَى غَيْرِ مَا يَسْبِقُ إِلَى الْفَهْمِ، وَمَنِ اتَّفَقَ اسْمُهُ واسْمُ أَبِيهِ وجَدِّه، أو اسْمُ شَيْخِهِ وشَيْخِ شَيْخِه فَصَاعِداً. ومَنِ اتَّفَقَ اسْمُ شَيْخِه وَالرَّاوِي عَنْهُ.

ترجمہ: اور امورِ مہمہ میں سے ہے نام والوں کی کنیت پہچاننا، کنیت والوں کے نام، جس کا نام ہی اس کی کنیت ہے، جس کی کنیت میں اختلاف کیا گیا ہے، جس کی کنیتیں یا صفات (والقاب) متعدد ہیں، جس کی کنیت اس کے والد کے نام کے موافق ہے یا برعکس، یا اس کی کنیت اس کی بیوی کی کنیت کے موافق ہے، یا اس کے شیخ (استاذ) کا نام اس کے والد کے نام موافق ہے؛ جو غیرِ والد کی طرف، یا والدہ کی طرف، یا اول وہلہ کے اندر سمجھ آنے والی چیز کے غیر کی طرف منسوب ہو؛ جس کا اپنا نام، والد کا نام اور دادا کا نام متفق ہو یا جس کے شیخ کا نام، شیخ کے شیخ کا نام اور اوپر بھی متفق ہو؛ اور جس کے شیخ اور شاگرد کا نام متفق ہو (غرض ان سب امور کی واقفیت ضروری ہے)۔

تشریح:

فصل

اوپر والے امور کے علاوہ کچھ اور متفرق امور ہیں جن کا جاننا ضروری ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) نام والے راویوں کی کنیتیں جاننا ضروری ہے۔

یعنی سند میں عام طور پر جن راویوں کے نام ذکر کئے جاتے ہیں، اُن کی اگر کنیتیں ہیں تو ان کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر کُنیت کے ساتھ کبھی تذکرہ آ گیا تو طالب علم اگر کنیت نہیں جانتا ہوگا تو اس کو کوئی دوسرا راوی سمجھے گا۔

مثال: ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ''ابو محمد'' ہے۔

(۲) کنیت والے راویوں کے نام جاننا ضروری ہے۔

یعنی جس سند میں راویوں کی کنیتیں ذکر کی جاتی ہیں اُن کے نام کا جاننا ضروری ہے تا کہ اگر سند میں کنیت معروفہ کے بجائے نام آجائے تو طالب علم کو پتہ چل جائے کہ یہ وہی راوی ہے۔

مثال: ''ابن شہاب زہری'' کنیت سے مشہور ہیں ان کا نام ''محمد بن مسلم'' ہے۔

(۳) ان راویوں کو جاننا ضروری ہے جن کا نام ہی کنیت ہے۔

مثال: ''ابو بلال اشعری''، ''ابو حُصین''۔

(۴) جن راویوں کی کنیت میں اختلاف ہے اُن کا جاننا بھی ضروری ہے۔

مثال: ''اسامہ بن زید'' ان کی کنیت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی

کنیت "ابوزید" ہے، بعض کہتے ہیں کہ "ابو محمد" ہے اور بعض کہتے ہیں کہ "ابو خارجہ" ہے۔

اسی طرح ان راویوں کا جاننا بھی ضروری ہے جن کی کنیت تو ایک ہے مگر نام میں اختلاف ہے۔

مثال: حضرت ابو ہریرہؓ ۔ یہ کنیت ہے۔ نام میں اختلاف ہے کہ عبداللہ ہے یا عبدالرحمٰن ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام "عبدالرحمٰن بن صخر" ہے۔

(۵) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے، جن کی کنیتیں متعدد ہیں تا کہ کسی جگہ کنیت بدل جائے تو پتہ چل جائے کہ یہ فلاں راوی ہے۔

مثال: "ابن جریج" کی دو کنیتیں ہیں: ابو ولید اور ابو خالد

(۶) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے جن کے القاب متعدد ہوں۔

یعنی جن راویوں کے صفات و القاب متعدد ہوں تو ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

مثال: حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دو القاب ہیں: صِدّیق اور عَتیق۔

(۷) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے کہ جن کی کنیت ان کے باپ کے نام کے موافق ہے، یعنی جس نام سے راوی کی جو کنیت ہے وہی اُس کے باپ کا نام ہے۔

مثال: ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق

(۸) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے جن کی کنیت اُن کی بیوی کی کنیت کے موافق ہے۔

مثال: حضرت ابو ایوب انصاری، ان کی بیوی "ام ایوب انصاریہ" ہے۔

(۹) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے کہ جن کے والد اور اُستاد کا نام ایک ہے۔

مثال: حضرت ربیع بن انس عن انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۱۰) ان راویوں کو جاننا ضروری ہے جن کا نام اُن کے والد کی کنیت کے موافق ہے۔

مثال: اسحاق بن ابی اسحاق

(۱۱) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے کہ جو راوی والد کے علاوہ کی طرف منسوب ہوں۔

مثال: حضرت مقداد بن اسود۔ ان کے والد کا نام "اسود" نہیں ہے بلکہ "عمرو" ہے لیکن اسود زہری نے حضرت مقداد کو لے پالک بیٹا بنا لیا تھا۔ اس لئے ان کی طرف حضرت مقداد کی نسبت کی جاتی ہے۔

(۱۲) ان راویوں کا جاننا بھی ضروری ہے جو باپ کے بجائے ماں کی طرف منسوب ہیں۔

مثال: "ابن عُلَیَّۃ"۔ ان کا نام اسمٰعیل بن ابراہیم بن مِقْسَم تھا۔ عُلَیَّۃ ان کی ماں کا نام تھا جس سے یہ مشہور ہو گئے تھے۔

(۱۳) ان راویوں کا جاننا بھی ضروری ہے جن کی نسبت سے جو مفہوم متبادر ہوتا ہے (یعنی اول وہلہ میں سمجھ میں آتا ہے) وہ مراد نہیں ہوتا بلکہ غیر متبادر مفہوم مراد ہوتا ہے۔

مثال: "خالد الحذّاء"۔ حذّاء ـــ "موچی ـــ" کو کہتے ہیں لیکن یہ موچی نہیں تھے بلکہ موچی کے پاس اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ اسی طرح ـــ "سلیمان تَیمی ـــ"۔ یہ قبیلہ بنو تَیم کے نہیں تھے بلکہ اُن کے ساتھ کچھ دن رہے، اس لئے ان کو "تیمی" کہا جاتا ہے۔

(۱۴) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے جن کا دادے تک نام ایک ہوتا ہے۔

مثال: "حسین بن حسین بن حسین بن علی بن ابی طالب"

(١٥) ان راویوں کا جاننا بھی ضروری ہے کہ راوی، راوی کے شیخ اور راوی کے شیخ کے شیخ کا نام متفق ہو۔

مثال: ''عمران عن عمران عن عمران''۔ اول ''عمران القصیر''، ثانی ''ابو رجاء عمران العطارِدی'' اور تیسرے ''عمران بن حصین (صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' ہیں۔

(١٦) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے جن کے استاد اور شاگرد کا نام متفق ہوتا ہے۔

مثال: امام بخاری کے شیخ کا نام ''مسلم'' اور شاگرد کا نام بھی ''مسلم'' ہے۔ شیخ کا نام ''مسلم بن ابراہیم'' اور شاگرد کا نام ''مسلم بن حجاج'' ہے۔

وَمَعْرِفَةُ الْأَسْمَاءِ الْمُجَرَّدَةِ والْمُفْرَدَةِ، وَالْكُنٰى، وَالْأَلْقَابِ، وَالْأَنْسَابِ، وَتَقَعُ إِلَى الْقَبَائِلِ

وَالْأَوْطَانِ: بِلَاداً، أَوْ ضِيَاعاً، أَوْ سِكَكاً، أَوْ مُجَاوَرَةً، وَإِلَى الصَّنَائِعِ وَالْحِرَفِ: وَيَقَعُ فِيْهَا الْاِتِّفَاقُ وَالْاِشْتِبَاهُ كَالْأَسْمَاءِ، وَقَدْ تَقَعُ أَلْقَاباً. وَمَعْرِفَةُ أَسْبَابِ ذٰلِكَ.

ترجمہ: نیز (امور مہمہ میں سے ہے) اسماءِ مجردہ، اسماء مفردہ، کنیٰ (مجردہ ومفردہ)، القاب اور نسبتوں کا پہچاننا۔ اور یہ نسبتیں (کبھی) قبیلوں کی طرف ہوتی ہیں اور (کبھی) وطنوں کی طرف: (وہ وطن) خواہ شہر ہو، یا چھوٹا گاؤں ہو، یا محلہ ہو یا (ان میں سے کسی کا) پڑوس ہو۔ اور یہ نسبتیں کبھی کاریگری (وہنر) کی طرف اور کبھی پیشوں کی طرف ہوتی ہیں۔ نیز ناموں کی طرح ان نسبتوں میں بھی اتفاق واشتباہ پایا جاتا ہے اور کبھی کبھار یہ

نسبتیں، لقب بن جاتی ہیں۔ اور اُن (القاب وانساب) کے اسباب کا پہچاننا (بھی امور مہمہ میں سے ہے، جن کا ظاہر اُن کے باطن کے خلاف ہے)۔

تشریح:

(۱۷) ان راویوں کا جاننا ضروری ہے جن کے صرف نام ہیں، لقب اور کنیت کچھ بھی نہیں۔ اُن کو ''اسماء مجرّدہ'' کہتے ہیں اسی طرح ان راویوں کا جاننا بھی ضروری ہے جو اپنے ناموں میں تنہا ہوتے ہیں، ان کا ہم نام کوئی نہیں ہوتا۔ ان کو ''اسماء مفرَدہ'' کہتے ہیں۔

مثال: سَنْدَر (بروزن جعفر)، لُبَیّ (بروزن اُبَیّ)۔ یہ دونوں ''اسماء مفردہ'' کی مثال ہیں۔

(۱۸) اسی طرح ان راویوں کا جاننا ضروری ہے جن کی صرف کنیت ہوتی ہے، نام و لقب کچھ نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح بعض راویوں کی کنیت ایسی ہوتی ہے کہ اُس جیسی کنیت اور کسی کی نہیں ہوتی اس کو ''کنیت مجردہ ومفردہ'' کہتے ہیں۔

(۱۹) راویوں کے القاب کا پہچاننا ضروری ہے۔

لقب: ایسا وصف ہوتا ہے جو راوی کی عظمت وپستی، مدح وذم کو بیان کرے۔ (تیسیر)

مثال: (۱) ابوتُراب (یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ہے)

(۲) سلیمان اعمش (اس میں اعمش لقب ہے، بایں سبب کہ یہ آنکھوں سے چوندھے تھے)

(۲۰) روایوں کی نسبتوں کا پہچاننا ضروری ہے۔ پھر نسبت تین چیزوں کی طرف

ہوتی ہے:

(الف) قبیلہ:

یعنی کسی راوی کی قبائل میں سے کسی قبیلہ کی طرف نسبت ہو۔

مثال: حضرت ابوہریرہؓ دَوسی، قبیلہ دَوس کی طرف نسبت ہے۔

(ب) وطن:

یعنی راوی کی کسی شہر کی طرف، یا کسی چھوٹے گاؤں کی طرف، یا کسی محلہ کی طرف، یا ان میں سے کسی ایک کے پڑوس کی طرف نسبت ہو۔

مثال: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، یہ دہلی شہر کی طرف نسبت ہے۔ اور امام بخاریؒ، یہ بخارا شہر کی طرف نسبت ہے وغیرہ۔

(ج) صِناعۃ وحِرفۃ:

یعنی راوی کی کسی صناعۃ (کاریگری وہنر) کی طرف نسبت ہو، جیسے خیّاط (درزی) یا کسی پیشے کی طرف نسبت ہو۔ جیسے بزّاز (کپڑا بیچنے والا، کلاتھ مرچنٹ)

ف: صناعۃ، حِرفۃ سے اخص ہے کیونکہ صناعۃ میں صاحبِ صناعۃ (کاریگر) کو کام کرنا لازم ہوتا ہے جبکہ حِرفۃ کے اندر صاحبِ حِرفۃ کیلئے کام کرنا لازمی نہیں ہے۔

تنبیہ:

(ا) جس طرح ناموں میں اتفاق و اشتباہ واقع ہوتا ہے، اسی طرح نسبتوں میں اتفاق واشتباہ ہوتا ہے۔

مثال: امام ابوحنیفہؒ کے مُتّبِع کو بھی ”حنفی“ کہتے ہیں اور عرب کے قبیلہ بنوحنیفہ کے آدمی کو بھی ”حنفی“ کہتے ہیں۔ اب حنفی لکھنے اور بولنے میں تو یکساں ہے لیکن نسبت میں

مختلف ہے۔

(۲) نسبت کبھی لقب بن جاتی ہے، یعنی وہ اسم ہوتا تو لقب ہے لیکن بصورتِ نسبت ذکر کیا جاتا ہے، حقیقت میں نسبت کوئی اور ہوتی ہے۔

مثال: خالد بن مَخْلَد کوفی قَطَوانی۔

قَطَوانی اُن کا لقب ہے اور نسبت کوفی ہے، لیکن ان کا نام ''خالد بن مخلد قطوانی'' سے ذکر کیا جاتا ہے یہ نسبت کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۲۱) القاب اور انساب کے اسباب کا جاننا بھی ضروری ہے کہ کس وجہ سے اس کو یہ لقب ملا ہے؟ یا کس وجہ سے اس کو یہ نسبت ملی ہے؟ کہ بسا اوقات ان القاب و انساب کی حقیقت ظاہر کے خلاف ہوتی ہے۔

مثال: ابو مسعود بدری۔ ویسے تو بدری اُسے کہا جاتا ہے جو جنگِ بدر میں شریک ہوا ہو لیکن ''ابو مسعود'' جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ بدر کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس لئے ان کو ''بدری'' کہا جاتا ہے۔

وَمَعْرِفَةُ الْمَوَالِي مِنْ أَعْلَى وَمِنْ أَسْفَلَ بِالرِّقِّ، أَوْ بِالْحِلْفِ، وَمَعْرِفَةُ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ.

وَمَعْرِفَةُ آدَابِ الشَّيْخِ وَالطَّالِبِ، وَسِنِّ التَّحَمُّلِ وَالْأَدَاءِ، وَصِفَةِ كِتَابَةِ الْحَدِيْثِ وَعَرْضِهِ، وَسَمَاعِهِ، وَإِسْمَاعِهِ، وَالرِّحْلَةِ فِيهِ، وَتَصْنِيفِهِ: إِمَّا عَلَى الْمَسَانِيْدِ، أَوِ الْأَبْوَابِ، أَوِ الْعِلَلِ، أَوِ الْأَطْرَافِ.

ترجمہ: نیز (علماء ورواۃ میں سے) غلامی یا حِلف (یعنی تعاون وتناصر کے معاہدہ

کی وجہ سے بننے والے مولیٰ اعلیٰ (جیسے معتِق ومُخالِف) اور مولیٰ اسفل (جیسے معتَق ومُخالَف) کی پہچان، اور بہن بھائیوں کی پہچان، اور حدیث شریف کے استاذ وشاگرد کے آداب، حدیث کے حاصل کرنے اور آگے روایت کرنے کی عمر، حدیث کو لکھنے اور پیش کرنے کے طریقہ، حدیث کے سننے وسنانے کے طریقہ، (طلبِ) حدیث کے بارے میں سفر کرنے کے طریقہ اور حدیث کی مسانید یا ابواب یا علل یا اطراف (وغیرہ کی ترتیب) پر تصنیف کے طریقہ کی پہچان (بھی امور مہمہ میں سے ہے)۔

تشریح:

(۲۲) امور مہمہ میں سے ''موالی'' کا پہچاننا ضروری ہے۔ موالی، مولیٰ کی جمع ہے۔

مولیٰ کی دو قسمیں ہیں: **(۱)** مولی بالرِق **(۲)** مولی بالحِلف(۱)

(۱) مولی بالرق:

اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) مولیٰ من اعلیٰ (ب) مولیٰ من اسفل

(الف) مولیٰ من اعلیٰ: مُعتِق (یعنی آزاد کرنے والا)

مثال: حضرت آبی اللحم غفاری مولی عمیر۔ حضرت عمیرؓ کو انہوں نے آزاد کیا تھا۔

---

(۱) اسی طرح ''مولیٰ بالاسلام'' بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی آدمی کافر تھا۔ اس نے کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس کا یہ مولیٰ ہوگا

مثال: محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی۔ ان کے دادا ''مغیرہ'' مجوسی تھے اور وہ ''یمان بن اخنس الجعفی'' کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے لہٰذا اسی کی طرف ان کو منسوب کیا جاتا ہے۔

(ب) مولی من اسفل: مُعْتَق (یعنی آزاد کیا ہوا)

مثال: حضرت نافعؒ مولی ابن عمر۔ یہ حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کئے ہوئے تھے۔

(۲) مولی بالحلف:

مولی بالحلف وہ ہے جس کا کسی قوم سے نصرت و مدد کا معاہدہ ہو۔ اس کو اس قوم کا مولیٰ کہیں گے۔ اس میں بھی مولیٰ اعلیٰ (محالَف – بالفتح) اور مولی اسفل (محالِف – بالکسر) ہوتا ہے۔

مثال: امام مالک بن انس الاصبحی التیمی۔ (یہ خود اصبحی تھے اور ان کی قوم نے بنو تیم سے عقدِ موالات (عقدِ وَلاءِ حلف) یعنی ایک دوسرے کی نصرت و مدد کا وعدہ کیا تھا اس لئے ان کو تیمی کہا جاتا ہے۔)

(۲۳) بھائی، بہن رُواۃ کو جاننا ضروری ہے۔

مثال: (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبیداللہ بن عمرؓ۔ یہ دونوں راوی بھائی تھے۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ۔ یہ دونوں بھائی، بہن ہیں۔

ف: ان بہن بھائیوں کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ بعض دفعہ دیکھنے میں بھائی نظر آتے ہیں مگر درحقیقت وہ بھائی نہیں ہوتے۔ مثلاً احمد بن اِشکاب، علی بن اِشکاب اور محمد بن اِشکاب: یہ تینوں، حدیث کے راوی ہیں۔ بظاہر بھائی لگتے ہیں مگر درحقیقت یہ تینوں الگ الگ قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں (اور باہم بھائی نہیں ہیں)۔

(۲۴) شیخ کو اپنے آداب کا جاننا ضروری ہے۔

یعنی اُس کو علم ہو کہ حدیث پڑھاتے ہوئے کن کن آداب کی رعایت کی جاتی ہے۔ مثلاً موضوع حدیث بیان نہ کرے، طالب علم سے ذاتی مفاد حاصل نہ کرے، خصوصاً دورانِ درسِ حدیث طہارت کاملہ کا اہتمام کرے، اخلاقِ کریمانہ سے متصف رہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح طالب علم کو اپنے آداب جاننا ضروری ہے کہ حدیث پڑھتے ہوئے کن کن آداب کی رعایت کی جائے۔ مثلاً نیت خالص رکھے، امور شرعیہ کی تعمیل اور منہیات سے پرہیز کی کوشش کرے، استاذ کا ادب واحترام کرے، تحصیلِ علم کو ذاتی خواہشات پر ترجیح دے وغیرہ وغیرہ۔

(۲۵) اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ کس عمر کی سنی ہوئی حدیث معتبر ہوگی اور کس عمر کی سنائی ہوئی حدیث معتبر ہوگی؟ تو واضح رہے کہ اس کے لئے کوئی خاص عمر متعین نہیں بلکہ شعور کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ سِنِّ شعور کی سنی ہوئی اور سنائی ہوئی حدیث معتبر ہوگی۔

(۲۶) حدیث کے لکھنے کا طریقہ جاننا ضروری ہے۔

مثلاً اُس لفظ کے اعراب لگائے جو مشکل ہو نیز الفاظ واضح لکھے، نقطے واضح لگائے وغیرہ۔ یہ اُس وقت ضرورت پیش آتی تھی جب کتابیں چھپی نہیں تھیں۔

(۲۷) تلمیذ کو اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کو پیش کرنے کا طریقہ جاننا ضروری ہے۔

مثلاً تلمیذ نے جو حدیثیں سُن کر لکھی ہیں ان کو اپنے شیخ کی ''اصل کتاب'' یا کسی دوسرے ثقہ راوی کی کتاب کے ساتھ ملائے تا کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو وہ درست ہو جائے۔

(۲۸) سماعِ حدیث کے طریقے کا جاننا بھی ضروری ہے۔

مثلاً سماعِ حدیث کے وقت کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو۔

(۲۹) اس طرح اِسماعِ حدیث کے طریقے کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مثلاً سنانے والا احتیاط و بیدار مغزی سے سنائے، غفلت سے نہ سنائے۔

(۳۰) حدیث کو حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے کا طریقہ بھی جاننا ضروری ہے۔

مثلاً پہلے اگر اس کے اپنے وطن میں کوئی محدث ہے تو اس سے حدیثیں حاصل کرے پھر دوسرے علاقے کا سفر کرے۔

(۳۱) حدیث کی تصنیف کے طریقے کا جاننا بھی ضروری ہے۔

حدیث کی تصنیف کے کئی طریقے ہیں، مصنفؒ نے صرف چار طریقے بیان فرمائے ہیں:

(۱) تصنیف علی المسانید　　**(۲)** تصنیف علی الابواب

(۳) تصنیف علی العلل　　**(۴)** تصنیف علی الاطراف

(۱) تصنیف علی المسانید:

یہ تصنیف مُسند کے طرز پر ہو۔ مُسند کا طرز یہ ہے کہ صحابی کی جتنی حدیثیں ہیں، چاہے جس مضمون کے متعلق ہوں ان سب کو جمع کر کے ایک جگہ کر دیا جائے۔

مثلاً مسند ابی بکر، تو اس کے نیچے حضرت ابو بکرؓ سے جتنی حدیثیں مروی ہیں اُن کو لکھ دیا جائے۔ البتہ آگے اصحابِ مسانید، صحابہؓ کی ترتیب (کس صحابی کو پہلے ذکر کرے) اپنی صوابدید و منشا کے مطابق رکھ سکتے ہیں۔

لہٰذا خواہ حروف تہجی کے اعتبار سے صحابہ کی ترتیب رکھی جائے، یا اسلام لانے کے

اعتبار سے ترتیب رکھی جائے ، یا افضلیت کے اعتبار سے ترتیب رکھی جائے مثلاً خلفاء راشدین پھر عشرہ مبشرہ پھر اصحاب بدر پھر آگے اسی طرح درجات کے اعتبار سے۔

(۲) تصنیف علی الابواب:

یہ ہے کہ حدیثوں کو "فقہی ابواب" کے طرز پر جمع کرے۔ اس طرز پر جو کتابیں لکھی جائیں ان کو "سنن" کہتے ہیں جیسے سنن نسائی، سنن ابوداؤد۔

(۳) تصنیف علی العلل:

وہ یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں متنِ حدیث لکھے، اس کی تمام سندیں ذکر کرے اور پھر اس کے رواۃ و ناقلین کے باہمی اختلاف کو بیان کرے، الغرض انجام کار احادیث میں پائے جانے والے اسقام کی نشاندہی کرے۔

جیسے علل ابن ابی حاتم اور علل دارقطنی وغیرہ

(۴) تصنیف علی الاطراف:

یہ ہے کہ حدیث کا صرف پہلا حصہ ذکر کر کے باقی حدیث کو چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد تمام یا بعض مخصوص کتبِ حدیث میں مذکور اس حدیث کی تمام اسانید جمع کر دی جائیں۔ اس طرز پر جو کتابیں لکھی جائیں اُن کو "کتب الاطراف" کہتے ہیں۔ اس فن کی معروف ومتداول تصنیف "امام مِزیؒ" کی ہے جس کا نام "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" ہے اور یہ صرف صحاح ستہ کی احادیث سے متعلق ہے۔

تنبیہ:

تصنیف کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں جو دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

وَمَعْرِفَةُ سَبَبِ الْحَدِيْثِ، وَقَدْ صَنَّفَ فِيْهِ بَعْضُ شُيُوخِ الْقَاضِي أَبِي يَعْلَى بْنِ الْفَرَّاءِ،

وَصَنَّفُوا فِي غَالِبِ هَذِهِ الْأَنْوَاعِ. وَهِيَ نَقْلٌ مَحْضٌ، ظَاهِرَةُ التَّعْرِيفِ، مُسْتَغْنِيَةٌ عَنِ التَّمْثِيلِ، وَحَصْرُهَا مُتَعَسِّرٌ، فَلْتُرَاجَعْ لَهَا مَبْسُوطَاتُهَا. وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْهَادِي، لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ.

ترجمہ: نیز حدیث شریف کے سببِ (وُرود) کی پہچان (بھی امور مہمہ میں سے ہے)۔ اور قاضی ابویعلیٰ بن فرّاءؒ کے ایک استاذ نے اس بارے میں کتاب بھی لکھی ہے۔ ان مذکورہ اقسام میں سے اکثر کے بارے میں محدثین نے کتابیں لکھی ہیں۔ اور یہ اقسام منقول محض ہیں، ان کی تعریفات ظاہر (وواضح) ہیں، مثالیں ذکر کرنے سے بے نیاز ہیں۔ ان مثالوں کا احاطہ واحصاء مشکل ہے اس لیے ان مثالوں کے لیے مفصل کتابوں کی مراجعت کرلی جائے۔ اللہ پاک ہی توفیق دینے والا ہے اور وہی راہنمائی کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔

تشریح:

(۳۲) اسی طرح حدیث کے شانِ وُرود کا جاننا ضروری ہے یعنی وہ حدیث جس خاص موقع ومحل پر یا خاص آدمی سے متعلق یا خاص واقعہ کے متعلق ارشاد فرمائی گئی اس خاص سبب کا جاننا ضروری ہے، جس طرح کہ قرآنی آیات کے شانِ نزول کو جانا جاتا ہے۔

حافظ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ احادیث کے شانِ ورود کے بارے میں قاضی ابویعلیٰ بن فرّاء کے استاذ **ابو حفص عُکبری** رحمہ اللہ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ بہر حال ہمارے زمانہ میں اس فن پر جو معروف ومتداول کتاب ہے وہ شیخ ابن حمزہؒ حنفی دمشقی کی

ہے: "البیان والتعریف فی أسباب ورود الحدیث الشریف" اس کتاب میں انہوں نے حروفِ تہجی کی ترتیب پر احادیثِ شریفہ کو جمع کیا ہے۔ حدیث لکھنے کے بعد شیخ پہلے اس کی تخریج کرتے ہیں پھر "سببُہ" کہہ کر اس کا شانِ ورود ذکر کرتے ہیں۔ یہ بیروت سے دو جلدوں میں چھپی ہے۔ یہ کتاب بھی — اگر وسعت ہو تو — اپنے پاس رکھنی چاہیے۔

وَھِیَ نَقْلٌ مَحْضٌ، الخ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ "خاتمہ" میں جن انواع کا تذکرہ کیا گیا ہے (مثلا **معرفة کنی المسمین واسماء المکنین** وغیرہ) ان کے یہاں محض نام نقل کیے گئے ہیں باقی ان کی تعریفات بالکل واضح ہیں اور ان انواع کی پہچان اور تعریفات واضح ہونے کی وجہ سے ان کی مثالیں ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ مثال تو تعریف کی وضاحت کیلئے ہوتی ہے نیز ان میں سے بہت سی انواع کی مثالیں تو اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے بہر حال جس کو یہ سب باتیں مطلوب ہوں وہ اصول حدیث کی مبسوط کتابوں کی طرف رجوع کر لے۔

وذا آخِر ما أردتُ إيراده من ترجمته الواضحة وتوضيحه الكاشفة ، فأدعوا الله سبحانه وتعالىٰ أن يتقبله لخالص وجهه ويجعله وسيلة لنجاتي ومغفرتي وحصول الشفاعةِ يومَ لا ينفع جاه ولا مال ،آمين ! يا رب العالمين بجاه النبي الأمين ﷺ!

27 رجب 1436 الموافق 17 مئی 2015 یوم الاحد

نخبۃ الفکر کے اصولِ حدیث (ایک نظر میں)

(۱) خبر

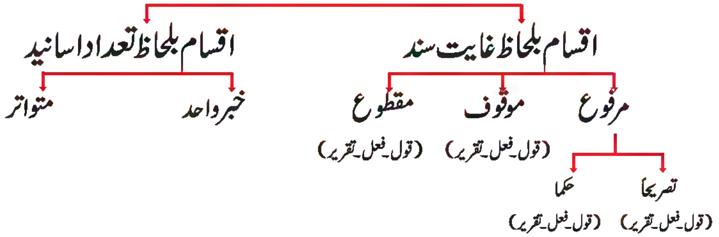
اقسام بلحاظ غایت سند
اقسام بلحاظ تعداد اسانید
مرفوع
موقوف
مقطوع
خبر واحد
متواتر
(قول۔فعل۔تقریر)
(قول۔فعل۔تقریر)
تصریحاً
حکماً
(قول۔فعل۔تقریر)
(قول۔فعل۔تقریر)

(۲) خبرِ واحد (باعتبار تعداد رُواۃ)

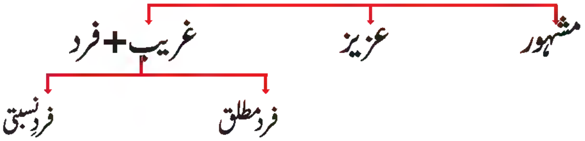
مشہور
عزیز
غریب+فرد
فرد مطلق
فردِ نسبی

(۳) خبر واحد (باعتبار ثبوت وعدم ثبوت)

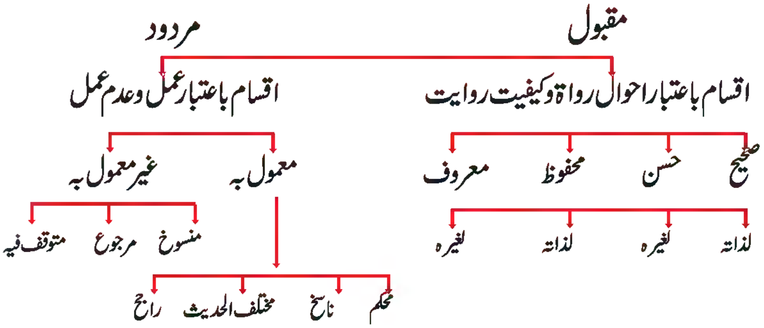
مقبول
مردود
اقسام باعتبار احوال رواۃ وکیفیت روایت
اقسام باعتبار عمل وعدم عمل
صحیح
حسن
محفوظ
معروف
لذاتہ
لغیرہ
لذاتہ
لغیرہ
معمول بہ
غیر معمول بہ
منسوخ
مرجوع
متوقف فیہ
محکم
ناسخ
مختلف الحدیث
راجح

(۴) مردود

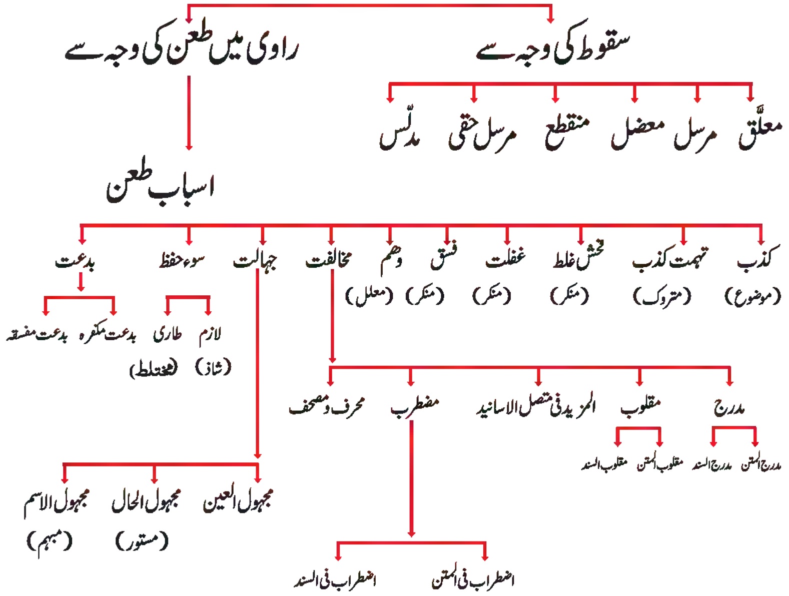
سقوط کی وجہ سے
راوی میں طعن کی وجہ سے
معلّق
مرسل
معضل
منقطع
مرسل خفی
مدلّس
اسباب طعن
کذب
(موضوع)
تہمت کذب
(متروک)
فحش غلط
(منکر)
غفلت
(منکر)
فسق
(منکر)
وھم
(معلل)
مخالفت
جہالت
سوء حفظ
بدعت
لازم
(شاذ)
طاری
(مختلط)
بدعت مکفرہ
بدعت مفسقہ
مدرج
مدرج المتن
مدرج السند
مقلوب
مقلوب المتن
مقلوب السند
المزید فی متصل الاسانید
مضطرب
اضطراب فی المتن
اضطراب فی السند
محرف ومصحف
مجہول العین
مجہول الحال
(مستور)
مجہول الاسم
(مبہم)

(۵) اِسناد

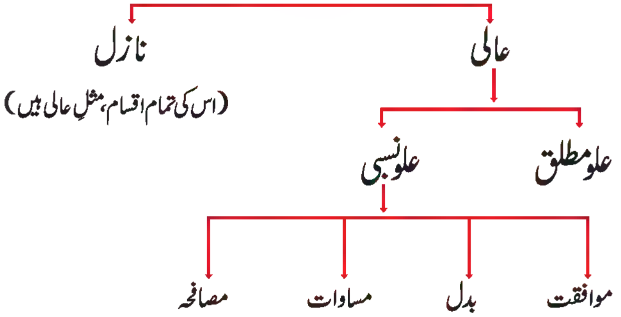
عالی
نازل
(اس کی تمام اقسام، مثلِ عالی ہیں)
علو مطلق
علو نسبی
موافقت
بدل
مساوات
مصافحہ

(۶) اَقسامِ حدیث باعتبار روایت

- روایۃ الاقران
- روایۃ المدبّج
- روایۃ الاکابر عن الاصاغر
- روایۃ الاصاغر عن الاکابر

(۷) اِستطراد

(متفرقات)

- حدیثِ مسند
- سابق ولاحق راوی
- انکار راوی مرویہ
  - جزماً (مردود)
  - احتمالاً (مقبول)
- حدیث مہمل
- حدیث مسلسل
  - مسلسل بصیغۃ الاداء
  - مسلسل بحالۃ
    - حالۃ قولیہ وفعلیہ
    - حالۃ قولیہ
    - حالۃ فعلیہ

(۸) صیغ الاداء

- مرتبہ اولیٰ
  - (سمعت)
  - (حدثنی)
- مرتبہ ثانیہ
  - (اخبرنی)
  - (قرآت علیہ)
- مرتبہ ثالثہ (قرئ علیہ وانا اسمع)
- مرتبہ رابعہ (انبانی)
- مرتبہ خامسہ (ناولنی)
- مرتبہ سادسہ (شافہنی)
- مرتبہ سابعہ (کتب الیّ)
- مرتبہ ثامنہ (عن وغیرہ)

(۹) تحمّل طُرُق

(تحصیلِ حدیث کے طریقے)

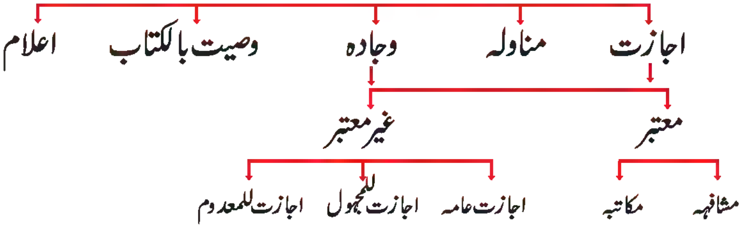
اجازت
مناولہ
وجادہ
وصیت بالکتاب
اعلام
معتبر
غیر معتبر
مشافہہ
مکاتبہ
اجازت عامہ
اجازت للمجہول
اجازت للمعدوم

(۱۰) اِتّفاق اسماء کے لحاظ سے رُواۃ کی اقسام

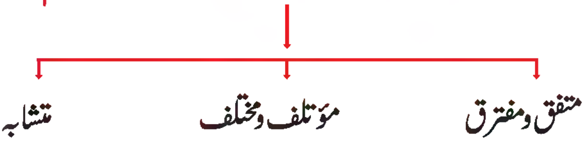
متفق ومفترق
مؤتلف ومختلف
متشابہ

(۱۱) مراتب التعدیل

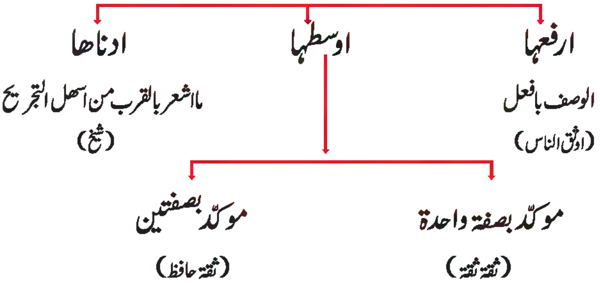
ارفعہا
اوسطہا
ادناہا
الوصف بافعل
(اوثق الناس)
ما اشعر بالقرب من اسھل التجریح
(شیخ)
موکّد بصفۃ واحدۃ
(ثقۃ ثقۃ)
موکّد بصفتین
(ثقۃ حافظ)

(۱۲) مراتب الجرح

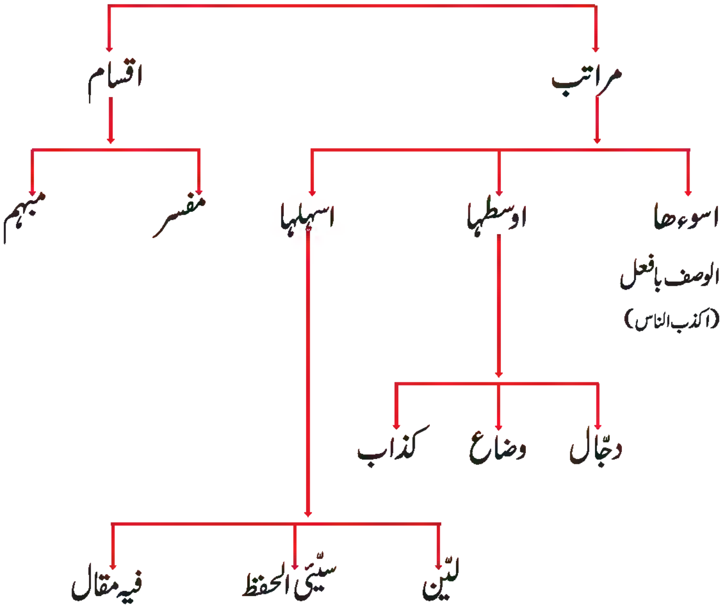
مراتب
اقسام
اسوءھا
الوصف بافعل
(اکذب الناس)
اوسطھا
اسھلھا
مفسر
مبہم
دجّال
وضاع
کذاب
لیّن
سیّئ الحفظ
فیہ مقال

مؤلف کی دیگر کتب

القول الصواب فی مسائل "الکتاب"

یعنی مختصر القدوری میں مفتی بہا اقوال کی تعیین

اس کتاب میں "مختصر القدوری" کے تمام (اختلافی اور غیر اختلافی) مسائل میں مستدلات اور تخریجات کے ساتھ مفتی بہ قول کی تعیین کی گئی ہے۔ یہ کام بفضلہ تعالی حضرات اکابر مدظلہم کی رہنمائی اور سرپرستی میں انجام پایا ہے۔

(مطبوعہ مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی: 0334 – 34 32 34 5)

عام فہم میراث

نہایت ہی آسان طریقوں سے مسائل میراث کا حل سکھانے والی ایک منفرد کتاب، جس کے اندر ہر باب کے آخر میں مشقی سوالات مع حل کا مفید ذخیرہ بھی موجود ہے۔

(مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور: 042 – 37224228)

مزید الایمان (حصہ اول و حصہ دوم)

علماء، خطباء اور دعوت دینے والے حضرات کیلئے انتہائی مفید اور مستند کتاب جس میں توحید، سیرت، آخرت (قبر، حشر، جنت، جہنم) اور دعوت و تبلیغ کی اہمیت سے متعلقہ آیات، احادیث، اشعار و تاریخی واقعات کا ایمان افروز مستند ذخیرہ موجود ہے۔

(مطبوعہ مکتبہ صدیقیہ بیرون تبلیغی مرکز رائیونڈ: 0300 – 45 85 134)

نبوی اخلاق وآدابِ زندگی (اردو ترجمہ وشرح الأدب المفرد)

امام بخاریؒ کی معروف کتابِ حدیث ”الأدب المفرد“ کا آسان اردو ترجمہ وشرح جس میں انفرادی اور عائلی (خاندانی) زندگی کو کامیاب بنانے کے نبوی مبارک طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ جو طلباء ومدرسین کے علاوہ ہر گھر وفرد کی ضرورت ہے۔

(مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور: (042 – 37224228))

آپ نورانی قاعدہ کیسے پڑھیں اور پڑھائیں

اس رسالہ میں نورانی قاعدہ کی تختیوں کو پڑھانے کا ایسا آسان اور مشقی انداز بیان کیا گیا ہے، جو طلباء کیلئے بحمد اللہ تعالی مفید ثابت ہوا ہے نیز طلباء میں پختہ استعداد جلد پیدا ہونے میں ممد ومعاون ہے۔

(مطبوعہ مکتبہ صدیقیہ بیرون تبلیغی مرکز رائیونڈ: (0300 – 45 85 134))

جنتی مَرد

کتابِ ہٰذا مَردوں کے لیے ”جنتی مَرد“ بننے میں ایک بہتر معین اور مؤثر ناصح ہے۔

اس کتاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ان اعمال کو (تخریج سمیت) جمع کیا گیا ہے جن کے اختیار کرنے سے آدمی کو جنت کا داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ نیز کتاب کے آخر میں جذبۂ عمل کو مہمیز دینے کے لیے، نیک لوگوں کے شوقِ جنت کے واقعات اور فاسقوں کی توبہ کی حکایات بھی مستند ماٰخذ سے نقل کی گئی ہیں۔

(مطبوعہ مکتبہ عمر بن خطاب ٹی چوک ملتان: (0301 – 75 74 977))

صلہ رحمی

ـ یعنی ـ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک پر اجر وانعامات

اس کتابچہ میں والدین اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی اہمیت اور فضائل، نیز قطع رحمی (یعنی رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات توڑنے) کی شناعت اور وعیدوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مختصر طور پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ ہر مسلمان کم وقت میں اس اہم وحساس ترین موضوع کا مطالعہ کرکے اپنی آخرت بنا سکے۔

اردو ترجمہ ـــ"میزان الصرف ومنشعب ـــ"

اردو ترجمہ ـــ"صَرف میر ـــ"

اردو ترجمہ ـــ"نَحو میر ـــ"

مندرجہ بالا سہ کتب، مدارسِ عربیہ کے ابتدائی درجات میں شاملِ نصاب فارسی زبان کی تین مختصر کتب ـــ"میزان الصرف ومنشعب ـــ"، ـــ"صَرف میر ـــ"اور ـــ"نَحو میر ـــ" کا عام وبامحاورہ اردو ترجمہ ہے۔

(زیرِ طِباعت مکتبہ عمر بن خطاب ؓ ٹی چوک ملتان: 0302 – 837 51 5 1)

وسیلۃ الظفر اردو شرح ـــ"نخبۃ الفِکَر ـــ"

علم اصولِ حدیث میں حافظ ابن حجرؒ شافعی کے داخل درنصاب متن ـــ"نخبۃ الفِکَر ـــ" کی مختصر اور جامع شرح، جو حلِ کتاب میں مفید ومعاون ہونے کے ساتھ ساتھ موقع بموقع کتبِ مستندہ کی روشنی میں احناف کے اصولِ حدیث کی بھی راہنمائی کرتی ہے۔

(زیر طِباعت: مکتبہ عمر بن خطاب ٹی چوک ملتان: 0301 – 75 74 977)

زلزلہ (اسباب، حقائق اور حفاظت کے تناظر میں)

قرآن وحدیث اور جدید سائنس کی روشنی میں ـــ" زلزلہ ـــ" کے موضوع پر تحریر کردہ ایک مفید عام رسالہ، جس میں زلزلوں کے آنے کی وجوہات اور ان سے حفاظت کے طریقوں پر، مستند شرعی اور سائنسی کتب کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔

(زیرِ طباعت: مکتبہ عمر بن خطاب ٹی چوک ملتان: 0301 – 75 74 977)

مزید الایمان (حصہ سوم وحصہ چہارم)

علماء، خطباء اور دعوت دینے والے حضرات کیلئے انتہائی مفید اور مستند کتاب جس میں مختلف ـــ" ایمان افروز مضامین ـــ" سے متعلقہ آیات، احادیث، اشعار وتاریخی واقعات کا مستند ذخیرہ موجود ہوگا، انشاء اللہ تعالی۔ (زیرِ تالیف)

كيف تدخُل الجنّة

هذا الكتاب يهدى الإنسان إلى ما ورد فى الكتاب والسنة من أعمال توجب دخوله الجنة أو تحرّمه على النار، وكل ما فى هذا الكتاب استفيد من مآخذ مستندة ومراجع معتمد عليها عند علماء الفن، فذُكر كل حديث مع تخريج ،ولم يُورَد حديثٌ غيرُ مقبول فى هذا الباب(سيطبع إن شاء الله)

مکتبہ عمر بن الخطاب رضؓ کے تحت

مولانا کریم بخش صاحب کی تصانیف

تفسیر ھٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ (جلد اول)

تفسیر ھٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ قرآن مجید کی عام فہم اور آسان تفسیر ہے جس کی ابتداء میں تفسیر بالرّائے سے اجتناب وغیرہ جیسے اہم اصولِ تفسیر کے اضافہ کے ساتھ قرآنی حقائق و دلائل اور عجا مہمّاتِ قرآنی کو احسن اور بڑے سلیس انداز سے بیان کیا گیا ہے، الغرض تفسیرِ قرآن سے متعلقہ ضروری علوم کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے

خلاصۃ القرآن (تراویح کے بعد کے دروس القرآن)

خلاصۃ القرآن حضرت اقدس مولانا کریم بخش صاحب مدظلہٗ کے تراویح کے بعد کے دروسِ قرآن کا مجموعہ ہے، علما، طلبا، عوام اور ائمہ مساجد کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پیغام کو مختصر طور پر سمجھنے کے لئے بے مثال ہے۔

کتابُ الاسماء

اس کتاب میں اسماء اللہ تعالیٰ ، اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفصیل۔ اس کے علاوہ اس میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ و شرکیہ ناموں کی ممانعت جیسے اہم مضامین موجود ہیں۔ یہ کتاب دورِ حاضر کی تصنیفی نزاکتوں کو جمع کرتی ہوئی ایک شاہکار کتاب ہے، ہلکا پھلکا اور شگفتہ اندازِ تحریر اس کا خصوصی وصف ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے حالات وواقعات

یہ کتاب بھی دورِ حاضر کی ایک عظیم تصنیف ہے، جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کے ’’خاندانی حالات، صفاتِ ابراہیمی، اوّلیاتِ ابراہیمی، معجزاتِ ابراہیمی، بُت پرستی وکواکب پرستی کی تردید، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سفر ہجرت، ذبحِ اسماعیل علیہ السلام اور جذبہ ابراہیمی تاریخ وبنائے بیت اللہ، عشرہ ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل ومسائل‘‘ جیسے معلومات افزاء مضامین پر مشتمل ایک اہم تصنیف ہے۔

فضائل حرمین شریفین اور حج وعمرہ کے اہم مسائل

اس کتاب میں حرمین شریفین یعنی مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ کے فضائل، حدود، تعمیر کعبہ، غلافِ کعبہ، تاریخی مساجد، بعض تاریخی پہاڑ، کنووں اور وادیوں کا تذکرہ ہے، نیز ازواجِ مطہرات کے حجرات، قبائلِ انصار کے مقامات، حج وعمرہ اور ان کے ذیل میں ہونے والی عبادات: طواف، سعی، وقوفِ منیٰ، وقوفِ عرفہ، وقوفِ مزدلفہ، اور حلق وغیرہ پر مستند حدیثوں میں منقول اجر وثواب اور ان کے آداب کا معتبر حوالہ جات، آسان، زبان اور دل آویز اسلوب کے ساتھ تفصیلی ذکر ہے۔

حدیث اور سنت میں فرق

کسی بھی مصنف اور تصنیف کی سب سے بڑی خصوصیت قاری کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے اور اس کے ذوقِ مطالعہ کو بڑھانا ہے۔ یہ کتاب اس کی عکاس ہے، جس میں بڑے نازک اور حل طلب مضامین (حدیث وسنت میں فرق، علومِ متشابہات، چند ضروری مسائل) کو بڑے احسن اور دلنشیں انداز میں ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔

خطباتِ کریم (جلد اول)

خطباتِ کریم جلد اول میں ''اللہ تعالیٰ کی شفقت ومحبت، انسانیت کے رہبر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام، اللہ کے حبیب ﷺ کا حلیہ مبارک خاندانِ نبوت اور اس کی محبت کے تقاضے معجزات رسول ﷺ، فضائل مدینہ منورہ، شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، تاریخ فقہاء ومحدثین ، والدین کی ذمہ داری، ظالموں اور ظلم کا انجام'' جیسے عام فہم اور اصلاحی مضامین پر مشتمل ہے جو ہر شخص کی اصلاح کے لئے انتہائی مفید ہیں۔

خطباتِ کریم (جلد ثانی)

خطباتِ کریم جلد دوم میں شب برأت سے لے کر شب قدر تک'' حضرت مدظلہٗ کے بیانات کا حسین مجموعہ ہے، جس میں درج ذیل مضامین ہیں: ''شب برأت کی حقیقت استقبالِ رمضان، فضیلت و عظمتِ رمضان، پیغامِ رمضان (اُمتِ مسلمہ کے نام)، نیکیوں کا موسمِ بہار، جنت اور جہنم، گناہوں سے توبہ کریں، حقیقتِ تقویٰ، لوگوں سے حسنِ سلوک، قرآنِ کریم کی برکت، عظمت اور تاثیر، شبِ قدر کی برکات اور اس کے حصول کا طریقہ، رمضان المبارک کے اہم مسائل، صیام الدھر (شوال کے چھ روزے)۔

مواعظِ جمعہ (جلد اول)

جامعہ عمرؓ بن الخطاب، ملتان کی جامع مسجد میں حضرت مدظلہٗ کے بیان کردہ خطبات کا مجموعہ۔ یہ جلد ''رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات، صاحبزادوں، صاحبزادیوں اور نواسوں، نواسیوں کی پاکیزہ سیرت وکردار'' کے ذکر کا حسین گلدستہ ہے۔ نیز ''واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر'' اس میں مختلف وجوہ سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔

مواعظِ جمعہ (جلد ثانی)

اس میں معاشرے کے سُلگتے ہوئے مسائل کا حل انتہائی سہل و عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں محرم الحرام کے فضائل واحکام، نوحہ کی ممانعت، اظہارِ غم کا مسنون طریقہ، مسائل زیارتِ قبور، اسلام میں نحوست کا تصور، توہم پرستی سے اِجتناب اور مشورہ واستخارہ کی اہمیت جیسے موضوعات پر مشتمل یہ جلد ایک عظیم شاہکار ہے۔

مواعظِ رمضان المبارک (جلد اول)

خطباتِ جمعہ از حضرت اقدس مدظلہٗ بموقع رمضان المبارک ۳۵۔ ۱۴۳۴ھ جس میں ''استقبالِ رمضان فضائل رمضان، روزوں کی فرضیت کا مقصد، روزوں کی غرض وغایت، تزکیہ وطہارت، اصلاحِ ظاہر وباطن، رمضان اور ظہورِ رحمتِ الٰہی، رمضان اور توبہ، رمضان اور نزولِ قرآن، رمضان اور شب قدر، اور جمعۃ الوداع پر مشتمل دلنشین، فکر انگیز اور ایمان افروز واقعات، روح پرور بیانات، علمی، اخلاقی اور اصلاحی مضامین سے مُزیّن انتہائی سہل وعام فہم انداز میں جمع کئے گئے ہیں۔

مواعظِ رمضان المبارک (جلد ثانی)

رمضان المبارک ۳۵۔ ۱۴۳۴ھ بعد نمازِ فجر کے دروسِ احادیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث کا وہ ذخیرہ جو ''رمضان، روزہ، تراویح، اعتکاف، صلوٰۃ التسبیح، آدابِ دُعا، قبولیتِ دُعا کے اوقات، ادائیگی قرض کی مسنون دعاؤں، ذکر اور درود شریف کے فضائل پر مشتمل دروسِ احادیث کا یہ مجموعہ معتکفین کے لئے نایاب تحفہ اور عوام وخواص سب کے لئے انتہائی مفید ہے۔ بالخصوص ائمہ مساجد کے لئے ایک نایاب تحفہ ہے۔

مواعظِ رمضان المبارک (جلد ثالث)

اس جلد میں روزہ کی حقیقت، نفسِ فرضیت، مختصر فضائل ومسائل، تراویح کی فضیلت اور بیس تراویح کی مدلل تحقیق، اعتکاف کے فضائل ومسائل اور معتکفین کے لئے مسنون اعمال، زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے فضائل و مسائل، مصارفِ زکوٰۃ کا بیان، عید الفطر کے فضائل واحکام اور صیامِ ماہِ شوال کے فضائل ومسائل کو جمع کیا گیا ہے۔

خیر الطالبین شرح زاد الطالبین

یہ کتاب درس نظامی میں پڑھائی جانے والی حدیث کی اہم کتاب ''زاد الطالبین'' جو وفاق المدارس کے نصاب میں بھی شامل ہے، کی شرح ہے جو درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہے: (۱) اعراب (۲) لفظی ترجمہ (۳) لغوی صرفی تحقیق (۴) ترکیب (۵) تشریح (۶) احادیث کا شانِ ورود (۷) طلباء کے لئے سبق آموز واقعات اور اس جیسی بے شمار خصوصیات کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔

توضیح الترمذی شرح جامع الترمذی (جلد دوم)

درسِ نظامی کے درجہ عالمیہ میں پڑھائی جانے والی کتب صحاحِ ستہ میں سے جامع ترمذی ایک اہم اور معتبر حدیث کی کتاب ہے، حضرت اقدس مولانا کریم بخش صاحب نے اس کی جلد دوم کی ایک نایاب شرح لکھی ہے جو درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہے: (۱) اعراب (۲) عام فہم سلیس ترجمہ (۳) رُواۃِ حدیث کا مکمل تعارف (۴) مغلق عبارات کا آسان انداز میں حل (۵) عام فہم انداز میں حدیث کی تشریح (۶) مذاہبِ فقہاءِ کرام (۷) مفتی بہا اقوال کی تعیین۔

تسہیل النحو (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

علومِ آلیہ میں جو اہمیت علمِ نحو کو حاصل ہے وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں، اس اہمیت کے پیشِ نظر حضرت اقدس مولانا کریم بخش صاحب مہتمم جامعہ عمرؓ بن الخطاب ملتان، نے علومِ عربیہ کے طلبا کیلئے ''نحو میر'' کا اُردو زبان میں سلیس ترجمہ کیا، اس کے بعد قرآن وحدیث اور متقدمین کی کتابوں سے تمارین جمع کی ہیں ابتدائی طلباء کے لئے بہت نافع ہے۔

الورد الطری (علیٰ جامع الترمذی)

جامع ترمذی دورۂ حدیث کی کتب میں ادق کتاب شمار کی جاتی ہے مگر شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا یاسین صابر صاحب کی تقریر (الورد الطری علی جامع الترمذی) نے اس کے مغلق مقامات کو ایسا سہل بنا دیا ہے کہ ہر صاحبِ علم اسے پڑھتے ہوئے عش عش کر اٹھتا ہے۔ یہ کتاب ان خصوصیات پر مشتمل ہے: (۱) اہم اور مغلق مقامات کی تشریح (۲) لغات صعبہ کا ترجمہ (۳) ائمہ اربعہ کے مذاہب کو دلائل سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ حنفی مذہب کی وجوہِ ترجیح (۴) فریقِ مخالف کو مدلل اور مسکت جوابات (۵) سوال وجواب کی صورت میں اہم نکات کی عقدہ کشائی (۶) ہر حدیث کے ابتدائی اور آخری راوی کا ذکر (۷) استدلال کے طور پر پیش کی گئی احادیث کی تخریج۔
